دار الاشاعت الاسلامیہ لاہور

کا مقصد

عُلومِ قرآنی کی عُمومی نشر و اشاعت

ہے: تاکہ

① عوام کی توجہات قرآن حکیم کی جانب مُنعطف ہوں، ذہنوں پر اُس کی عظمت کا نقش قائم ہو، دلوں میں اُس کی محبّت جاگزیں ہو ——— اور اس کی جانب ایک عام التفات پیدا ہو جائے۔

② بہت سے ذہین اور اعلیٰ صلاحیتیں رکھنے والے نوجوان بھی اس سے متعارف ہوں اور اُن میں سے کچھ تعداد ایسے نوجوانوں کی بھی نکل آئے جو اس کی قدر و قیمت سے اس درجہ آگاہ ہو جائیں کہ پُوری زندگی اس کے علم و حکمت کی تحصیل اور نشر و اشاعت کیلئے وقف کر دیں؛

تاکہ

ایک عظیم الشان قرآن اکیڈمی کے قیام

کی راہ ہموار ہو سکے!

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ

اسرار احمد بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تذکرہ و تبصرہ

گزشتہ ماہ ہم نے عرض کیا تھا، کہ ملّتِ اسلامیہ پاکستان میں اس وقت دو نمایاں طور پر مختلف بلکہ متضاد نقطہ ہائے نظر اور طریقہ ہائے فکر پائے جاتے ہیں جن میں سے ایک علی گڑھ کا معنوی تسلسل ہے اور دوسرا دیوبند کا۔[1]

یوں تو ایک عظیم ملّت میں فکر و نظر کے صدہا رنگوں (SHADES) کا پایا جانا ایک فطری اور قدرتی امر ہے، چنانچہ ہماری قوم میں بھی سوچنے کے لاتعداد انداز اور غور و فکر کے بے شمار طور طریقے پائے جاتے ہیں۔ تاہم ذرا دقّتِ نظر سے دیکھا جائے تو صاف نظر آجاتا ہے کہ فکر و نظر کے ان لاتعداد رنگوں میں اصل اور پختہ رنگ دو ہی ہیں۔ ایک علی گڑھ کا اور دوسرا دیوبند کا۔ بقیہ تمام رنگ جو ان کے مابین یا ان کے ارد گرد پائے جاتے ہیں سب ان کے امتزاج ہی سے وجود میں آتے ہیں اور ان میں سے کسی میں علی گڑھ کا رنگ زیادہ نمایاں ہے اور کسی میں دیوبند کا ——— گویا کہ جیسے کہ ہم نے گزشتہ ماہ عرض کیا تھا، ہماری ملّت کے بحرِ علمیہ کی اصل دو ہی رَو یں ہیں جو تقریباً ایک سو سال سے "مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ۝" کی طرح بالکل ملحق اور متصل لیکن "بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ۝" کی سی علیحدگی اور لاتعلقی کے ساتھ مسلسل چلی آ رہی ہیں ——— ان میں سے ہر ایک کا ایک مستقل ماضی اور متعین فکری اساس ہے، اور چونکہ ان میں سے ہر ایک کی پشت پر ایک وسیع و عریض اور پختہ و محکم نظامِ تعلیم بھی موجود ہے، لہٰذا ان دونوں کے اثرات نہایت دور رس ہیں اور ان کی جڑیں ہمارے جسدِ ملّی میں بہت گہری اتری ہوئی ہیں، گویا کہ یہ دونوں مکاتبِ فکر ہماری قومی و ملّی زندگی میں "اَصْلُهَا ثَابِتٌ" کی سی محکم اساس اور "وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ" کا سا ہمہ گیر

[1] کیا اللہ کی شان ہے کہ ملّتِ اسلامیہ پاکستان کے ان دو دینی و مذہبی اور تہذیبی و ثقافتی سوتوں کے اصل منبع ہندوستان ہی میں رہ گئے ——— اور یہی نہیں بلکہ جیسا کہ بعد میں واضح ہوگا، ان دونوں کے مابین امتزاج کی جتنی کوششیں ہوئیں ان سب کے اصل مراکز بھی وہیں رہ گئے۔

اور نفوذ رکھتے ہیں۔

ان میں سے علی گڑھ کی 'مذہبی عقلیت'، جیسے جسٹس امیر علی، سرسید احمد خاں اور مولوی چراغ علی وغیرہم نے مرتب کیا تھا اس کا تذکرہ ہم کر چکے ہیں۔ ساتھ ہی اس کے مقابلے میں دیوبند جس کی بنیاد مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے ہاتھوں پڑی اور جن کے ذریعے اس میں کتاب و سنت کا علم ہی نہیں بلکہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی روحانیت بھی سرایت کر گئی تھی، جس طرح 'قال اللہ' اور 'قال الرسولؐ' کا حصار اور دین و مذہب کے 'نقل' کے دفاع کا مرکز بنا۔ اس کی تفصیل بھی ہم بیان کر چکے ہیں ——— اور دونوں کے 'مذہبی فکر' کے مابین جو بُعد المشرقین پایا جاتا ہے اس کا تذکرہ بھی تفصیل کے ساتھ ہو چکا ہے ——— لیکن اس کے بارے میں یہ گمان درست نہ ہوگا کہ یہ بُعد ہمیشہ، بہر حال اور ہر صورت میں موجود رہا۔ اس کے برعکس، واقعہ یہ ہے کہ ان دونوں سے بعض ایسی شخصیتیں بھی ابھریں جو اپنے اصل مکتبِ فکر کے عمومی مزاج کی بالکل ضد ثابت ہوئیں۔ چنانچہ 'حسنؓ ز بصرہ، بلالؓ از حبش، صہیبؓ از روم' کے مصداق سرزمین علی گڑھ سے بھی بہت سے 'راسخ العقیدہ'، 'درد مند'، 'ذہناً مسلم اور قلباً مومن لوگ' اٹھے جن میں سے ایک مولانا محمد علی جوہر کی مثال ہی اتنی درخشاں و تابناک ہے کہ مزید کی کوئی حاجت نہیں[1]۔ دوسری طرف خاکِ دیوبند سے مولانا عبید اللہ سندھی ایسی مجتہدانہ مزاج رکھنے والی شخصیت بھی ابھری جنہوں نے جدید دنیا کا مطالعہ ہی نہیں بھرپور مشاہدہ بھی کیا۔ اور جدید رجحانات کے زیر اثر ملت اسلامیہ کے لئے تمدن و معاشرت اور معیشت و سیاست کے میدانوں میں ایسی راہیں تجویز کیں جن کے لئے استناد دیوبند کے موجود الوقت مقلدانہ ماحول سے نہیں بلکہ صرف امام الہند شاہ ولی اللہ الدہلوی کے فلسفہ و افکار ہی سے مل سکتا تھا[2]! ——— تاہم یہ مثالیں محض استثنائی ہیں اور ایک انگریزی[3] مثل کے مطابق، ان سے

---

[1] خود علامہ اقبال بھی جن کا تذکرہ بعد میں تفصیل سے آئے گا۔ بہر حال اصلاً اسی شاخ سے متعلق ہیں۔

[2] مولانا عبید اللہ سندھی کے واسطے سے 'حکمت ولی اللّٰہی' کی اس شاخ کے غالباً واحد، ورنہ کم از کم معروف ترین وارث پاکستان میں پروفیسر محمد سرور ہیں جنہوں نے 'مجتہدین' کے 'امام العصر' ڈاکٹر فضل الرحمان صاحب کے 'فکر و نظر' کی ترجمانی کا منصب تا حال سنبھالے رکھا ہے ——— یہ دوسری بات ہے کہ اب وہ 'اِنِّی لَا اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ' کہہ کر اس سے کنارہ کشی اختیار کر لیں۔ (ہمیں حیرت ہوتی ہے کہ مولانا عبد الماجد دریابادی جیسے بزرگ اور جہاندیدہ و مسنّ نے ڈاکٹر فضل الرحمان صاحب کی اس وکالت پر اظہار حیرت فرمایا ہے جو پروفیسر صاحب نے کی۔ ہمارے نزدیک تو بات بالکل صاف ہے اور اس میں حیرت و تعجب کا کوئی پہلو موجود نہیں!)

[3] "EXCEPTIONS PROVE THE RULE!"

وہ کلیہ مزید مستحکم ہوتا ہے جو ہم نے بیان کیا تھا۔ یعنی یہ کہ علی گڑھ اور دیوبند کے مابین کم از کم بُعد المشرقین موجود ہے[1]۔

اس بُعد کا احساس بھی بالکل شروع ہی سے ہو گیا تھا اور اس فاصلے کو کم کرنے اور ان دونوں کو ایک دوسرے سے قریب تر لانے کی ضرورت بھی بالکل ابتداء ہی سے محسوس کی جانے لگی تھی ——— چنانچہ ان کے مابین امتزاج اور ارتباط کی کوششوں کا سراغ بھی بالکل ابتداء ہی سے ملتا ہے۔ ندوۃ العلماء کا قیام ان کوششوں کا مظہر اوّل تھا ——— اور دہلی میں جمعیت الانصار اور جامعہ ملیہ کا قیام مظہر ثانی۔ پھر ان ہی کوششوں کا ایک تیسرا مرکز جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن بنا اور اس نے بھی جدید و قدیم کو قریب لانے میں ایک اہم رول ادا کیا۔

ندوہ کے بارے میں یہ بات بالکل صحیح ہے کہ وہ علی گڑھ کی کوکھ سے برآمد ہوا۔ مولانا شبلی نعمانی مرحوم جو پہلے علی گڑھ کے پروفیسر شبلی تھے اور بعد میں ندوہ کے علامہ شبلی بنے، ابتداءً سرسید مرحوم کے رفقاء اور اعوان و انصار میں سے تھے۔ جو بعد میں ان سے بدظن اور ان کی تعلیمی سکیم سے غیر مطمئن ہو کر ان سے علیحدہ ہوئے۔ ہمیں یہاں ان اسباب سے کوئی بحث نہیں جن کی بنا پر یہ علیحدگی واقع ہوئی۔ ہمیں بحث قیامِ ندوہ کے صرف اس پہلو سے ہے کہ یہ قدیم و جدید ——— اور تجدد و جمود کے مابین ایک متوازن علمی و فکری راہ پیدا کرنے کی سعی کا سب سے پہلا اور ہر اعتبار سے اہم ترین مظہر ہے۔

لیکن ——— یہ ایک واقعہ ہے کہ ندوہ فکر و نظر کا مرکز بننے کی بجائے صرف عربی زبان و ادب کا ایک گہوارہ اور تاریخ اسلامی کا ایک دار الاشاعت بن کر رہ گیا۔ اور علی گڑھ کے جدید اور دیوبند کے قدیم مذہبی فکر کے مابین کوئی حقیقی اور واقعی امتزاج پیدا کرنے میں بالکل ناکام رہا ——— !

ایک جدید لیکن 'متوازن' 'علم کلام' کی تدوین کی ضرورت کا احساس تو مولانا شبلی کو شدت کے ساتھ تھا۔ چنانچہ اسی لئے پہلے انہوں نے "علم الکلام" میں قدیم علم کلام کی تاریخ مرتب کی اور پھر نیا علم کلام "الکلام" کے نام سے لکھنا شروع کیا ——— لیکن ایک تو وہ اس کی صرف ایک جلد لکھ کر رہ گئے حالانکہ اس

---

[1] یہ بُعد صرف مذہبی تصورات اور دینی فکر کے میدان تک ہی محدود نہ رہا۔ بلکہ جیسا کہ ہم مارچ، اپریل، مئی ۶۸ء کے 'میثاق' کے اداریوں میں تفصیل سے عرض کر چکے ہیں۔ اس بُعد سے ملی و قومی سیاست بھی بری طرح متاثر ہوئی اور اس میدان میں بھی ان دونوں کے رُخ بالکل متضاد سمتوں میں مڑ گئے ——— جس سے ملت اسلامیہ ہند و پاک کی سیاسی قوت کو شدید نقصان پہنچا۔

کی تکمیل ان کے پیشِ نظر سکیم کے مطابق تین جلدوں میں ہوتی تھی[1] اور دوسرے یہ بھی ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ وہ وقت کے تقاضے کو بھی بالکل نہ سمجھ پائے۔ اور جو 'علم کلام' اس وقت حقیقتاً مطلوب تھا اس کے فروع کیا اصول بھی ان پر واضح نہ ہو سکے!

جن دو انتہاؤں کے مابین مولانا شبلی ایک متوازن راہ نکالنا چاہتے تھے ان کا تذکرہ خود ان کے الفاظ میں سنیے:۔

"حال ہی میں علم کلام کے متعلق مصر، شام اور ہندوستان میں متعدد کتابیں تصنیف کی گئی ہیں اور نئے علم کلام کا ایک دفتر تیار ہو گیا ہے ــــ لیکن یہ نیا علم کلام دو قسم کا ہے: یا تو وہی فرسودہ اور دور از کار مسائل و دلائل ہیں جو متاخرین اشاعرہ نے ایجاد کئے تھے[2] یا یہ کیا ہے کہ یورپ کے ہر قسم کے معتقدات اور خیالات کو حق کا معیار قرار دیا ہے اور پھر قرآن و حدیث کو زبردستی کھینچ تان کر ان سے ملا دیا ہے[3] ــــ پہلا کورانہ تقلید ہے اور دوسرا تقلیدی اجتہاد[4]......" (علم الکلام - تمہید)

ان دونوں کو رد کر کے جس تیسرے علم کلام کی ضرورت ہے اس کے ضمن میں "جدید تعلیم یافتہ گروہ" کا نقطۂ نظر مولانا نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:۔

"ہر طرف سے صدائیں آ رہی ہیں کہ پھر ایک نئے علم کلام کی ضرورت ہے۔ اس ضرورت کو سب نے تسلیم کر لیا ہے لیکن اصول کی نسبت اختلاف ہے۔ جدید تعلیم یافتہ گروہ کہتا ہے کہ نیا علم کلام بالکل نئے اصول پر قائم کرنا ہو گا۔ کیونکہ پہلے زمانے میں جس قسم کے اعتراضات اسلام پر کئے جاتے تھے، آج ان کی نوعیت بالکل بدل گئی ہے۔ پہلے زمانے میں یونان کے فلسفے کا مقابلہ تھا جو محض قیاسات اور مظنونات پر قائم تھا۔ آج بدیہیات اور تجربہ کا سامنا ہے اس لئے اس کے مقابلے میں محض قیاساتِ عقلی اور احتمال آفرینیوں سے کام نہیں چل سکتا۔" (ایضاً)

لیکن کمال سادگی کے ساتھ اس رائے کو محض یہ کہہ کر رد کر دیا ہے کہ:۔

---

[1] غالباً اس لئے کہ اس پہلی ہی جلد پر جو مخالفت ہوئی اور کفر کے فتوے موصول ہوئے، وہی مولانا شبلی کے لئے بہت کافی تھے۔

[2] یہ صاف اشارہ ہے حلقۂ دیو بند کی نئی کلامی تصنیفات کی جانب جیسے مثلاً مولانا محمد قاسم نانوتوی رح کی "حجۃ الاسلام"!

[3] مراد ہے سر سید احمد خاں اور مولوی چراغ علی کا علم کلام۔

[4] مولانا کا یہ طرزِ تعبیر یقیناً بہت قابلِ داد ہے۔

"لیکن ہمارے نزدیک یہ خیال صحیح نہیں۔ قدیم علم کلام کا جو حصہ آج بے کار ہے پہلے بھی ناکافی تھا۔ اور جو حصہ اس وقت کارآمد تھا آج بھی ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ کیونکہ کسی شے کی صحت اور واقعیت زمانہ کی امتداد و انقلاب سے نہیں بدلتی۔ اس بنا پر مدت سے میرا ارادہ ہے کہ علم کلام کو قدیم اصول اور موجودہ مذاق کے موافق مرتب کیا جائے......" (ایضاً)

چنانچہ جو کچھ انہوں نے کیا وہ یہی تھا کہ قدیم علم کلام کو نئے اسلوب، نئے پیرایۂ بیان اور نئے انداز میں گویا کہ نئے 'مذاق' کے مطابق پیش کر دیا۔

لیکن اصل مسئلے کے فہم کی کوتاہی میں مولانا شبلی غالباً بالکل معذور ہیں۔ اس لئے کہ ایک تو ان کے زمانے تک جدید فلسفے اور سائنس کا ارتقاء مکمل نہیں ہوا تھا۔ دوسرے خود فلسفہ بھی ابھی صرف سپنسر اور مِل تک ہی پہنچا تھا۔ گویا کہ فکرِ جدید کا اصل چیلنج ابھی پوری طرح سامنے نہیں آیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ 'الکلام' کے مقدمے میں مولانا نے فلسفہ و سائنس کی موجود الوقت صورتِ حال کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے:۔

"تمام دنیا میں ایک غل مچ گیا ہے کہ علوم جدیدہ اور فلسفۂ جدیدہ نے مذہب کی بنیاد متزلزل کر دی ہے۔ فلسفہ و مذہب کے معرکے میں ہمیشہ اس قسم کی صدائیں بلند ہوتی رہی ہیں اور اس لحاظ سے یہ کوئی نیا واقعہ نہیں لیکن آج یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ فلسفۂ قدیمہ قیاسات اور ظنیات پر مبنی تھا اس لئے وہ مذہب کا استیصال نہ کر سکا۔ برخلاف اس کے فلسفۂ جدیدہ تمام تر تجربہ اور مشاہدہ پر مبنی ہے۔ اس لئے مذہب کسی طرح اس کے مقابلے میں جانبر نہیں ہو سکتا ــــ یہ ایک عام صدا ہے جو یورپ سے اٹھ کر تمام دنیا میں گونج اٹھی ہے۔ لیکن ہم کو غور سے دیکھنا چاہئیے کہ اس واقعیت میں مغالطہ کا کس قدر حصہ شامل ہو گیا ہے۔

یونان میں فلسفہ ایک مجموعہ کا نام تھا جس میں طبعیات، عنصریات، فلکیات، الہیات، مابعد الطبعیات سب شامل تھا۔ لیکن یورپ نے نہایت صحیح اصول پر اس کے دو حصے کر دیئے جو مسائل مشاہدہ اور تجربہ کی بنا پر قطعی اور یقینی ثابت ہو گئے ان کو سائنس کا لقب دیا اور جو مسائل تجربہ و مشاہدہ کی دسترس سے باہر تھے ان کا نام فلسفہ رکھا!"

لیکن افسوس کہ یورپ میں یہ "نہایت صحیح اصول" بس تھوڑی دیر ہی چل سکا اور جلد ہی اس کے بجائے وہ 'فطری

---

[1] بقول اکبر الہ آبادی مرحوم

غزالی و رومی کی بھلا کون سنے گا!
محفل میں چھڑا نغمۂ اسپنسر و مِل ہے!

اصول، بپھر بروئے کار آ گیا کہ علم ایک ناقابلِ تقسیم وحدت ہے، اور اسے سائنس اور فلسفے کے دو جداگانہ خانوں میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ یورپ کا بعد کا فلسفہ ان نظریات کی اساسات پر مرتب و مدوّن ہوا جو سائنس کے بعض شعبوں سے ابھرے، جیسے مثلاً ڈاروِن کا نظریۂ ارتقا اور فرائڈ کا نظریۂ جنس وغیرہ[1]۔

الغرض، جدید دنیا کو جو نیا علمِ کلام فی الواقع مطلوب تھا اس کے تو اصول و اساسات کے بارے میں بھی مولانا شبلی صحیح تصور قائم نہ کر پائے تو اس کی تدوین کیا کرتے۔ رہا دوسرے معاملات میں علی گڑھ اور دیوبند کے مابین امتزاج تو اس کی بھی کوئی صورت ندوہ میں پیدا نہ ہو سکی —— اور مولانا شبلی کے بعد ان کے جانشین مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم نے جب حلقۂ دیوبند کی ایک علمی و روحانی شخصیت یعنی مولانا اشرف علی تھانوی ؒ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تو یہ بات کھل ہی گئی کہ ندوہ کوئی مستقل چیز ہے ہی نہیں۔ اس کی حیثیت بس ایک چھوٹی سی لہر کی ہے جو علی گڑھ کی عظیم رَو سے نکل کر بالآخر دیوبند کی دوسری بڑی رَو میں جا شامل ہوئی۔ بعد میں جب سید سلیمان ندوی کے شاگردِ رشید سید ابوالحسن علی ندوی نے کچھ عرصہ اِدھر اُدھر کی خاک چھاننے کے بعد بالآخر اسی حلقۂ دیوبند کی ایک دوسری روحانی شخصیت مولانا عبدالقادر رائے پوری ؒ کے ہاتھ پر بیعت کی تو یہ اسی سنتِ سلیمانی کا اتباع ہے۔ بہرحال اب ندوہ کی حیثیت دیوبند کے ایک ضمیمے کی ہے یا زیادہ سے زیادہ ایک توسیع (EXTENSION) کی۔ اس کا مستقل جداگانہ وجود کوئی نہیں!

اس طرح ندوہ تو بہت جلد ختم ہو گیا اور مولانا شبلی جو درمیانی راہ نکالنا چاہتے تھے وہ اس کے ذریعے سے نہ نکل سکی۔ تاہم ان کی یہ خواہش بعض دوسری پگڈنڈیوں کی صورت میں ظاہر ہوئی جن کا تذکرہ اہمیت کا حامل ہے۔ مولانا شبلی اپنی ذات میں ایک نہایت جامع الصفات انسان تھے اور ان کی شخصیت ندوہ کی نسبت بہت زیادہ جامع اور ہمہ گیر تھی۔ چنانچہ وہ بیک وقت علم و فضل، فلسفہ و کلام، شعر و ادب اور ملی و قومی سیاست حتیٰ کہ رندی و رنگینی سب کے جامع تھے۔ ان کے اصل جانشین سید سلیمان ندوی مرحوم کی شخصیت میں مولانا شبلی

---

[1] یورپ میں جس طرح جدید سائنس اور فلسفے کا ارتقاء ہوا اور جیسے ان دونوں میدانوں سے خدا کے تصور کو خارج از بحث کیا گیا اس کی تاریخی تفصیل کے لئے دیکھئے پروفیسر یوسف سلیم چشتی کا مقالہ "فکرِ مغرب کی اساس اور اس کا تاریخی پس منظر" شائع شدہ "میثاق" نومبر دسمبر ۱۹۶۷ء و مطبوعہ کتابچہ "اسلام کی نشأۃِ ثانیہ" —— اور اس کے فلسفیانہ پس منظر کے لئے دیکھئے ڈاکٹر محمد رفیع الدین صاحب کا مقالہ "صحیح نظامِ تعلیم اور پاکستان" شائع شدہ "میثاق" اکتوبر ۱۹۶۸ء۔

کی اپنی شخصیت کے صرف چند ہی پہلوؤں کا تسلسل قائم رہ سکا۔ لیکن ان کے زیرِ اثر دو اور ہستیاں ایسی پروان چڑھیں جو ان کی بعض دوسری صفات کی وارث بنیں اور جن میں مولانا شبلی کی شخصیت کے بعض دوسرے پہلو اجاگر ہوئے۔ ہماری مراد مولانا حمید الدین فراہی اور مولانا ابوالکلام آزاد سے ہے۔ یہ دونوں حضرات براہِ راست تو ندوی نہیں لیکن ان کی تربیت میں مولانا شبلی کا بڑا حصہ ہے —— اور چونکہ برِصغیر کی حالیہ مذہبی فکر کے میدان میں علی گڑھ اور دیوبند کی دو انتہاؤں کے مابین دو اہم علمی و فکری سوتے ان ہستیوں کی بدولت پھوٹے ہیں لہٰذا ان کا کسی قدر تفصیلی تذکرہ ضروری ہے۔

مولانا فراہی ؒ اور مولانا آزاد مرحوم میں متعدد امور بطورِ قدرِ مشترک بھی ہیں۔ مثلاً ایک یہی کہ دونوں کی تربیت میں مولانا شبلی کا حصہ تھا۔ دوسرے یہ کہ دونوں کو قرآن حکیم سے خاص شغف تھا۔ تیسرے یہ کہ دونوں اپنے وقت کے انتہائی وضع دار انسان تھے۔ چوتھے یہ کہ دونوں (مولانا شبلی کے بالکل برعکس —— جنہوں نے اپنی 'حنفیت' کی شدت کے اظہار کے لئے 'نعمانی' کی نسبت کو اپنے نام کا مستقل جزو بنا لیا تھا) تقلید سے یکساں بعید و بیزار تھے اور دونوں کو اصل ذہنی و علمی مناسبت امام ابن تیمیہ ؒ سے تھی ——

لیکن ان اشتراکات کے بعد اختلافات کا ایک وسیع میدان ہے جس میں یہ دونوں شخصیتیں ایک دوسرے کی بالکل ضد تھیں۔ مولانا آزاد میں شبلی کی رندی و رنگینی کا تسلسل بھی موجود رہا جبکہ مولانا فراہی بالکل زاہد خشک تھے۔ مولانا آزاد کی وضعداری میں شکوہ و تمکنت کی آمیزش تھی جبکہ مولانا فراہی پہ فقر و درویشی کا رنگ غالب تھا۔ مولانا آزاد 'ابوالکلام' تھے اور ان کی شعلہ بیانی خطابت میں ایک لاوا اگلنے والے زندہ آتش فشاں کا رنگ تھا جبکہ مولانا فراہی نہایت کم گو تھے اور ان کا سکوت ایک ایسے خاموش آتش فشاں سے مشابہت رکھتا تھا جس کے باطن میں تو خیالات و احساسات کا لاوا جوش مارتا ہو لیکن ظاہر میں وہ بالکل ساکت و صامت ہو۔ مولانا آزاد کی تحریر میں اصل زور ادبیت اور عبارت آرائی پہ تھا، جبکہ مولانا فراہی کی تحریر نہایت سادہ لیکن مدلّل ہوتی تھی۔ مولانا آزاد سیاست کے میدان کے بھی شہسوار تھے اور دین کی وادی میں بھی ان کا اصل مقام داعی کا تھا جبکہ مولانا فراہی سیاست سے تمام عمر کنارہ کش رہے اور دین و مذہب کے میدان میں بھی ان کا اصل مقام آخر دم تک صرف ایک طالبِ علم یا زیادہ سے زیادہ ایک مفکر کا رہا —— چنانچہ مولانا آزاد وطولیٰ بلند تو تھے ہی ایک وقت ایسا بھی گزرا جب وہ 'امام الہند' قرار پائے جبکہ مولانا فراہی سے ان کی زندگی میں بھی اور آج تک صرف کچھ علم دوست لوگ ہی واقف ہو سکے —— لیکن اس کے برعکس مولانا آزاد تو آندھی کی مانند اٹھے اور بگولے کی طرح رخصت ہو گئے تا آنکہ آج وہ لوگ بھی ان کا نام لینا تک گوارا نہیں کرتے جنہوں نے اپنی قندیل خود ان ہی کی شمع سے روشن کی۔ جبکہ مولانا فراہی ایک مستقل طرزِ فکر اور مکتبِ علمی کی بنیاد رکھ گئے

جن کا نام لیوا ایک ادارہ "دائرہ حمیدیہ" کے نام سے ہندوستان میں اور ایک انجمن مولانا امین احسن اصلاحی کی ذات میں پاکستان میں موجود ہے۔

قرآن مجید سے جو شغف ان دونوں بزرگوں کو تھا، مزاج کے افتاد کے فرق کی بنا پر اس کا ظہور بھی مختلف صورتوں میں ہوا۔ مولانا آزاد کی تفسیر سورہ فاتحہ اردو ادب کا تو شاہکار (CLASSIC) ہے ہی، قرآن کے جلال و جمال کا بھی ایک حسین مرقع ہے۔ پھر سورہ کہف کے بعض مباحث میں ان کی تحقیق و تدقیق کا تو کوئی جواب ہی نہیں، بایں ہمہ قرآن حکیم کا کوئی مرتب و منضبط فکر وہ پیش نہیں کر سکے۔ جبکہ مولانا فراہیؒ نے قرآن حکیم کے استدلالی پہلو کو واضح کیا۔ اور ایک طرف نظم قرآن کی اہمیت واضح کر کے تدبر قرآن کی نئی راہیں کھولیں اور قرآن پر غور و فکر کے اصول و قواعد از سرِ نو مرتب و مدون کئے اور دوسری طرف اپنی بعض تصنیفات میں (جو تاحال مسودات ہی کی صورت میں ہیں) خالصتاً قرآن حکیم کی روشنی میں ایک نئے علم کلام کی بنیاد رکھ دی — جیسا کہ ہم نے عرض کیا، آسمان شبلی کے ان "دو ٹوٹے ہوئے تاروں" سے برصغیر کی موجودہ اسلامی فکر کے دو سوتے پھوٹے ہیں جن کا تذکرہ صورت حال کے صحیح اور مکمل جائزے کے لئے ناگزیر ہے۔

مولانا فراہیؒ — کے علمی ورثے کے حامل مولانا امین احسن اصلاحی ہیں۔ جنہوں نے اپنی عملی زندگی کی ابتداء ان کے مشن کی تکمیل کے ارادے اور اس کے لئے عملی جد و جہد کے آغاز ہی سے کی تھی۔ چنانچہ تحصیل علم سے فراغت کے فوراً بعد انہوں نے ایک طرف مولانا فراہیؒ کی یادگار، مدرسۃ الاصلاح اعظم گڑھ کو سنبھالا دوسری طرف "دائرہ حمیدیہ" قائم کیا۔ تیسری طرف ۱۹۳۶ء میں ماہنامہ "الاصلاح" جاری کیا جس کے ذریعے فکر فراہیؒ کی اشاعت شروع ہوئی۔ وقس علیٰ ہذا — لیکن ابھی یہ تمام کام بالکل ابتدائی حالت ہی میں تھے کہ حکیم فراہیؒ کا یہ جانشین ابوالکلام کے معنوی خلیفہ سید ابوالاعلیٰ مودودی کی "دعوت اسلامی" کی گھن گرج سے متاثر ہو کر، رختِ سفر باندھ ان کی خدمت میں جا حاضر ہوا۔ اور ایک آدھ نہیں سترہ سال ان کی شخصیت کے پیچ و خم میں الجھا رہا[1] — "تا آنکہ پورے سترہ سال اس دشت کی بادیہ پیمائی

---

[1] اگر مولانا فراہیؒ زندہ ہوتے تو ہمیں یقین ہے کہ وہ مترود کے ان الفاظ میں مولانا اصلاحی سے ضرور شکوہ کرتے:

سرمد در دیں عجب شکستے کردی | ایمان فدائے چشم مستے کردی
عمرے کہ بآیات و احادیث گذشت | رفتی و نثار خود پرستے کردی

(سرمد کی رباعی میں "خود پرستے" کی جگہ "بت پرستے" ہے جسے ہم نے موقع و محل کے لحاظ سے بدل کر مناسب حال کر دیا ہے۔)

کے بعد، آج سے دس سال قبل جب آنکھ کھلی اور ہوش آیا تو معلوم ہوا کہ ماضی بہت پیچھے رہ گیا۔ دائرۂ حمیدیہ اور فکر فراہیؒ کے تمام قدر دان ہندوستان میں رہ گئے۔ یہاں یکہ و تنہا، نہ کوئی رفیق نہ ہمراہ، نہ اسباب نہ وسائل، الغرض ع — "جب آنکھ کھل گئی تو موسم تھا خزاں کا"

ان حالات میں مولانا امین احسن اصلاحی نے جس طرح پھر "جگر لخت لخت" کو جمع کیا اور از سرِ نو اپنے کام کی ابتداء کی، واقعہ یہ ہے کہ یہ اس بڑھاپے کے عالم میں ان کی جواں ہمتی کی دلیل ہے — بہرحال "الاصلاح" کی جگہ "میثاق" کا اجراء ہوا جو قلتِ اعوان و انصار کی بنا پر کچھ عرصہ ہچکولے کھاتی ہوئی کشتی کی مانند چلا اور پھر بند ہو گیا — "حلقۂ تدبر قرآن" قائم ہوا جس کے ذریعے چند نوجوانوں کی تعلیم و تربیت کا سلسلہ شروع ہوا۔ لیکن کچھ عرصہ نہایت کامیابی سے چلنے کے بعد ان نوجوانوں کے ادھر ادھر منتشر ہو جانے کی بنا پر اس کا کام بھی بند ہو گیا[1] — "تا آنکہ آج سے ڈھائی سال قبل راقم الحروف، جس نے خود مولانا مودودی کی "تحریک اسلامی" ہی میں آنکھ کھولی تھی اور ان ہی کے واسطے سے مولانا اصلاحی سے متعارف ہوا تھا، لاہور منتقل ہوا اور اسے اللہ نے مولانا کے ان کاموں میں تعاون کی توفیق و سعادت بخشی، تو اُسی کے فضل و کرم سے "میثاق" بھی از سرِ نو جاری ہوا اور بحمد اللہ تاحال جاری ہے، "تدبر قرآن" کی جلد اول بھی شائع ہوئی اور مولانا کے درس قرآن و حدیث کی ایک ہفتہ وار نشست کا سلسلہ بھی شروع ہوا جو بفضلہٖ تعالیٰ باقاعدگی سے جاری ہے۔

راقم الحروف کو مولانا اصلاحی سے براہ راست تلمذ کا شرف تو حاصل نہیں تاہم یہ واقعہ ہے کہ قرآن حکیم سے جو قلبی رابطہ اور کسی قدر ذہنی مناسبت اسے حاصل ہوئی ہے وہ مولانا ہی کی تحریروں کے مطالعے سے ہوئی ہے۔ اور راقم کی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا کو بھی عمر دراز اور صحت و فراغت عطا فرمائے تاکہ وہ اپنے استاذ مولانا فراہیؒ کے علمی ورثے کو مزید اضافوں کے ساتھ اگلی نسل کو منتقل کر سکیں۔ ان کے شاگردوں کو بھی توفیق دے کہ وہ اس کام کے لئے اپنی زندگیوں کو وقف کرنے کا عزم کر سکیں۔ اور راقم کو بھی اس نیک کام میں تعاون کی سعادت نصیب کئے رکھے! آمین۔

بہرحال فکر فراہیؒ اور سلسلہ تدبر قرآن علی گڑھ اور دیوبند کے درمیانی علمی و فکری سوتوں میں سے ایک ہے جو اپنی کمیت اور حلقۂ اثر کے اعتبار سے تو فی الحال زیادہ اہم نہیں لیکن اپنے امکانات کے اعتبار سے یقیناً نہایت اہم ہے۔ خصوصاً اس لئے کہ اس کی بنیاد بھی خالصتاً قرآن حکیم پر ہے اور اس میں سارا

---

[1] خدا کا شکر ہے کہ ایک عرصے کے بعد اب پھر یہ حلقہ سرگرم کار ہو گیا ہے۔

استدلال بھی قرآن ہی سے کیا جاتا ہے۔ اور تدبر قرآن کا جو خاص اسلوب و منہج اس کے ذریعے عام ہو رہا ہے اس سے انشاء اللہ 'حکمت قرآنی' کے بہت سے نئے گوشے سامنے آئیں گے اور فکر انسانی کو نئی رہنمائی ملے گی ——— مولانا امین احسن اصلاحی نے اپنی تصانیف 'حقیقتِ شرک'، 'حقیقتِ توحید' اور 'حقیقتِ تقویٰ' میں ایمان باللہ کے مختلف پہلوؤں سے جس انداز میں بحث کی ہے وہ اگرچہ باصطلاح معروف تو 'علم کلام' نہیں۔ لیکن خالص 'قرآنی علم کلام' ضرور ہے اور اگر مولانا اپنی سکیم کے مطابق معاد اور رسالت پر بھی اسی انداز سے لکھ سکے تو اس طرح خالصۃً قرآن حکیم کی بنیاد پر ایک 'نئے علم کلام' کی ترتیب و تدوین کی راہ کھل جائے گی۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اگرچہ کبھی صراحۃً کیا کنایۃً بھی یہ تسلیم نہیں کیا ——— اور ان کی انانیت پسند اور خود پرست (EGO - CENTRIC) شخصیت سے اس کی توقع بھی عبث ہے ——— کہ انہوں نے اپنی تحریک کے اصول و مبادی مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم سے اخذ کئے ہیں[1]۔ تاہم واقعہ یہی ہے کہ ۳۷-۱۹۳۶ء

---

[1] اس معاملے میں مودودی صاحب جتنے 'پختہ' واقع ہوئے ہیں اس کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے (i) نہ تو کبھی نیاز فتحپوری سے حاصل کردہ انشاء پردازی کی بنیادی تربیت کا ذکر فرمایا۔ (ii) نہ ابوالکلام مرحوم اور فیری برادران سے اخذ کردہ تصور حکومت الٰہیہ پر ان حضرات کا کبھی ذکر خیر کیا (iii) اور نہ ہی علامہ اقبال مرحوم کا یہ احسان کبھی علانیہ تسلیم کیا کہ انہوں نے انہیں حیدر آباد دکن ایسی سنگلاخ جگہ سے جہاں بقول خود ان کے کوئی ان سے یہ بھی نہ پوچھتا تھا کہ "تمہارے منہ میں کتنے دانت ہیں"! پنجاب کی اس سرزمین میں پہنچایا جو ہر تحریک اور نئی دعوت حتیٰ کہ دعویٰ نبوت تک کے لئے نہایت زرخیز و ساز گار ہے ——— حتیٰ کہ جب علامہ اقبال کا انتقال ہوا اور ملک بھر میں صفِ ماتم بچھ گئی تب بھی مدیر 'ترجمان القرآن' نے کوئی کلمۂ خیر ——— یا کلمۂ تعزیت اپنے مؤقر جریدے میں شائع نہ فرمایا۔ اور پروفیسر یوسف سلیم چشتی راوی ہیں کہ جب خود انہوں نے اس سلسلے میں مودودی صاحب سے استفسار کیا تو انہوں نے جواب میں ارشاد فرمایا "میں اس وقت حالتِ جہاد میں ہوں اور میدان قتال میں مردے دفن کرنے کی فرصت کب ہوتی ہے۔" چشتی صاحب فرماتے ہیں کہ بعد میں جب میں نے یہ دیکھا کہ مودودی صاحب کے حلقے کے جرائد نے مولانا مسعود عالم صاحب ندوی اور چوہدری علی احمد مرحوم کی وفات پر خاص نمبر تک نکالے اور کتابیں شائع کیں تو میں حیران رہ گیا کہ

ع ہم نے انقلاب چرخ گرداں یوں بھی دیکھے ہیں!

کے لگ بھگ جب مسلمانان ہند کی قومی و ملی سیاست کا ایک رخ متعین ہو گیا اور اس کی قیادت و سیادت میں انہیں کوئی مقام حاصل نہ ہو سکا تو انہوں نے کسی 'دوسری راہ' پر سوچنا شروع کیا اور اس کے لئے انہیں سارا پلا پکایا اور بالکل تیار مواد مولانا ابوالکلام آزاد سے مل گیا۔ چنانچہ انہوں نے مولانا آزاد کو ان کی زندگی ہی میں مرحوم قرار دے کر ان کی جگہ خود سنبھالی۔ ان کی وضع کردہ اصطلاح 'حکومت الٰہیہ' کو اپنا نصب العین بنایا (جس کی مزید تشریح فیری برادران کر چکے تھے) ان کی 'حزب اللہ' کے نقشے پر اپنی 'جماعت اسلامی' قائم کر دی اور اپنی 'تحریک اسلامی' کو انہی خطوط پر شروع کر دیا جو مولانا آزاد نے متعین کئے تھے۔ لیکن جن پر وہ خود اپنی بعض کمزوریوں کے باعث آگے نہ چل سکے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا مودودی اگرچہ ایک بہت بڑے مصنف اور مؤلف ہیں اور بسیار نویسی میں ان کے مدمقابل صرف دو غلام احمد ہی ہیں[1]۔ تاہم دین و مذہب کے میدان میں ان کا اصل مقام ابوالکلام مرحوم ہی کی طرح داعی کا ہے نہ کہ مفکر کا ——— بایں ہمہ چونکہ ان کا وسیع و عریض لٹریچر برصغیر کے طول و عرض میں بھی پھیلا ہے اور مشرق وسطیٰ میں بھی! لہٰذا ملت اسلامیہ کی جدید مذہبی فکر کے اس جائزے میں ان کا تذکرہ بھی ناگزیر ہے!

مودودی صاحب خود بھی اس امر کے مدعی ہیں اور ان کے بارے میں عام طور پر یہ خیال بھی پایا جاتا ہے کہ وہ 'بیچ کی راس' کے آدمی ہیں۔ یعنی انہوں نے علی گڑھ کی پیدا کردہ متجددانہ ذہنیت اور دیوبند کے قدامت پرستانہ مزاج کے مابین ایک درمیانی راہ پیدا کی ہے اور گویا کہ قدیم و جدید کو بہم کر دیا ہے۔ ان کا یہ دعویٰ اس اعتبار سے وزنی بھی ہے کہ ان کی دینی دعوت اور ان کا مذہبی فکر دونوں زیادہ تر جدید تعلیم یافتہ طبقے ہی میں پھیلے ہیں، اور نہ صرف ملت اسلامیہ ہند و پاک بلکہ مشرق وسطیٰ کے بعض ممالک کی نوجوان نسل کا بھی ایک خاصہ قابل ذکر حصہ ان کے زیر اثر آیا ہے ——— ان کے خود 'بیچ کی راس' کے آدمی ہونے کا ہی ثمرہ تھا کہ ابتداءً برصغیر کے تمام درمیانی مکاتبِ فکر کے نمبردار ان کی جانب کھنچ آئے[2]۔ چنانچہ جیسا کہ عرض کیا جا

---

[1] یعنی ایک پنجابی غلام احمد قادیانی اور دوسرے ایک چابی غلام احمد پرویز!

[2] یہ ایک دلچسپ امر ہے کہ نسبتاً بند مذہبی حلقوں میں سے مولانا مودودی کی طرف صرف اس طبقۂ اہل حدیث کے لوگ آئے جو ایک تو غیر مقلد ہونے کے باعث ویسے ہی 'آزاد' ہوتے ہیں، دوسرے یہ واقعہ ہے کہ اس طبقے میں خلافت و شہادت وغیرہ کا داعیہ ہمیشہ سے اتنا شدید رہا ہے کہ یہ ہر نئی دعوت پر اس اُمید میں والہانہ لپکتے ہیں کہ شاید اس کے ذریعے اسلام کی 'نوبت' ختم ہو جائے اور وہ خدا کے یہاں اسلام کے اس دور غربت میں اس کے ہمدرد و مونس و غم خوار شمار ہو جائیں!

چلا، ایک جانب مولانا فراہی رح کے جانشین مولانا اصلاحی اپنے تمام کام چھوڑ چھاڑ کر ان کے پاس آگئے۔ دوسری طرف مولانا سید سلیمان ندوی رح کے دونوں اہم شاگرد یعنی مولانا مسعود عالم ندوی مرحوم اور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی بھی ان کے گرد جمع ہوگئے ——— پھر یہ بھی ان کے علی گڑھ اور دیوبند کے مابین کی شخصیت ہونے کا نتیجہ تھا کہ ایک جانب حلقۂ دیوبند سے ایک بے چین و بے تاب روح، مولانا محمد منظور نعمانی کی صورت میں ان کی طرف کھنچ آئی اور دوسری طرف سلسلہ سرسید سے بھی مولانا عبدالجبار غازی (پرنسپل اینگلو عربک ہائی سکول دہلی) ایسے لوگ ان کے گرد جمع ہوگئے ——— یہ دوسری بات ہے کہ مولانا مودودی اس شیرازے کو مجتمع نہ رکھ سکے اور کوئی جلد اور کوئی بدیر ان سے بدظن یا غیر مطمئن ہو کر ان سے کٹ گیا —— تاہم چونکہ ان میں تنظیمی صلاحیت اور محنت اور مستقل مزاجی کے ساتھ کام کرنے کا مادہ ابتدا ہی سے موجود تھا، وہ اس ساری 'آمد و رفت' کے علی الرغم ایک مذہبی فرقے کی حد تک مضبوط جماعت قائم کرنے میں کامیاب ہوگئے، جس میں چوٹی کے نہ سہی درمیانی سطح کے لوگ کالجوں اور یونیورسٹیوں اور مدرسوں اور دارالعلوموں دونوں سے ہی فارغ التحصیل شامل ہیں۔

مولانا مودودی کی تحریکِ اسلامی کہاں اور کس موقف سے شروع ہوئی اور پھر وہ کن کن مراحل سے گزر کر بالآخر کہاں پہنچی اور اب "عشق بلا خیز" کا یہ "قافلۂ سخت جان" کس وادی اور کس منزل میں ہے، یہ ایک علیحدہ مستقل موضوع ہے، جس پر ہم نے اپنی کتاب "تحریک جماعت اسلامی: ایک تحقیقی مطالعہ" میں مفصل بحث کی ہے۔ یہاں اصل گفتگو ان کی تحریک سے نہیں بلکہ ان کے "فکر" سے ہے ——— اگرچہ یہاں اس اعتراف کا اعادہ کئے بغیر گزرا نہیں جا رہا کہ راقم الحروف نے خود بھی شعور کی آنکھ اسی تحریک کی گود میں کھولی اور اسلام کی نشأۃ ثانیہ کے لئے کچھ کرنے کا جذبہ اسی کے طفیل پایا ———

فکر ——— کے میدان میں مولانا مودودی نے ابتدا ہی سے یہ حکمتِ عملی برتی کہ فلسفہ اور علم کلام کے مشکل موضوعات سے کامل اجتناب کیا۔ حتیٰ کہ عقائد کے باب میں بھی ہمیشہ نہایت اجمال و اختصار کے ساتھ بات کی۔ اور حتیٰ کہ اس میں بھی زیادہ تر ان اعتقادات کو بیان (NARRATE) کرنے پر اکتفا کیا جو امت کے سوادِ اعظم کے یہاں معروف و مقبول ہیں۔ چنانچہ انہوں نے نہ تو الٰہیات و مابعد الطبیعیات سے بحث کی، نہ جدید فلسفیانہ رجحانات سے تعرض کیا، حتیٰ کہ ان گمراہ کن نظریات سے بھی براہ راست بحث و گفتگو سے احتراز کیا جو جدید سائنس کے مختلف شعبوں سے ابھرے ہیں[1] ——— گویا کہ علم کلام کی اصل سنگلاخ وادی میں انہوں نے سرے سے قدم ہی نہیں رکھا۔

[1] حاشیہ اگلے صفحہ پر۔

اس کے برعکس انہوں نے 'عمرانیاتِ اسلام' کو اپنا اصل موضوع بنایا۔ اور عمرانیات کے مختلف شعبوں یعنی تمدن و اخلاق، معاشرت و معیشت اور ریاست و سیاست کے باب میں جدید نظریات جن اصطلاحات میں اور جس اسلوب و انداز سے مرتب و مدوّن ہوئے ہیں انہی کو استعمال کرکے انہوں نے "اسلامی نظامِ زندگی" کا ایک مربوط و منضبط تصور پیش کرنے کی کوشش کی، ——— جس میں وہ بلاشبہ بہت حد تک کامیاب بھی ہوئے ——— اس اعتبار سے انہیں زیادہ سے زیادہ ایک عمرانی مفکر (SOCIAL THINKER) قرار دیا جا سکتا ہے۔ گویا کہ ان کی 'اوّلین'، 'نمایاں ترین'، اور بنیادی و اساسی حیثیت تو واضح کی ہے (اور اس پہلو سے وہ مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کی شخصیت کا معنوی تسلسل ہیں۔) ثانوی حیثیت میں انہیں اسلام کا ایک جدید عمرانی مفکر بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔

متذکرہ بالا حکمتِ عملی سے مودودی صاحب کو فائدے بھی بہت سے پہنچے: مثلاً ایک یہی کہ اعتقادی و کلامی بحثوں سے احتراز کی بنا پر ایک طویل عرصے تک وہ مذہبی طبقات کی مخالفت سے بچے رہے۔ اور اس میدان میں قدم رکھتے ہی تکفیر و تفسیق کے جن فتنوں کا سامنا ناگزیر ہوتا ہے ان سے محفوظ رہے ——— دوسرے یہ کہ ان کا یہ اوسط درجے کا فکر قوم کے درمیانی و متوسط طبقے میں تیزی کے ساتھ پھیلا اور سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں سے تعلیم یافتہ بہت سے نوجوان "اسلامی نظامِ حیات" کے اس تصور کو قبول کرکے اس کے 'قیام' کی عملی جدوجہد کے لیے آمادہ ہوگئے ——— گویا ان کی 'تحریکِ اسلامی' کے لیے راہ ہموار ہوگئی ——— لیکن اس کے بہت سے مضر عواقب بھی ظاہر ہوئے۔ مثلاً

سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ مذہب کا اعتقادی و تعبّدی پہلو بالکل دب کر رہ گیا۔ اور اسلام کی بس یہی ایک حیثیت نگاہوں کے سامنے رہ گئی کہ وہ ایک "نظامِ زندگی" ہے۔ پھر چونکہ عمرانیات کے مختلف شعبوں میں سے بھی مودودی صاحب کا اصل میدان "سیاسیات" کا ہے اور اسلام کے نظامِ زندگی میں بھی ان کی اصل نگاہ اس کے نظریہ ریاست و سیاست پر ہے۔ لہٰذا پورے دین و مذہب کی انہوں نے ایک خالص سیاسی تعبیر کر ڈالی۔ اور دین کا اصل جوہر یعنی عبد و معبود کا باہمی ربط و تعلق بالکل نظرانداز ہوگیا بلکہ یہی وجہ ہے کہ جماعت اسلامی سے علیحدہ ہونے والوں میں سے اکثر و بیشتر کے معاملے میں یہ صورت حال نظر آئی ہے کہ وہ مذہب کے بنیادی لوازم سے بھی آزاد ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ نماز روزے تک کے پابند نہیں رہتے

[1] ان نظریات (مثلاً ڈارون کا نظریہ ارتقاء) پر مولانا کی تنقید زیادہ سے زیادہ کچھ پھبتیاں کسنے تک محدود ہے۔ اور وہ بھی صرف "رسائل و مسائل" ایسی کتابوں میں۔

[2] حاشیہ اگلے صفحہ پر۔

گویا ان کا دین و مذہب سے ساتھ کُل لگاؤ تحریک اسلامی ہی کی بنیاد پر قائم تھا جو اس سے انقطاع کے ساتھ ہی منہدم ہو گیا۔ دوسرا اور ہماری اس وقت کی گفتگو کے اعتبار سے اہم تر نتیجہ اس کا یہ ہے ان کے زیر اثر نوجوانوں میں سے جنہیں بعد میں باہر کی دنیا سے سابقہ پیش آتا ہے اور وہ اپنے ملک اور اس کے بھی خالص اپنی تحریک کے محدود حلقے سے باہر نکل کر یورپ کی یونیورسٹیوں میں پہنچتے ہیں اور وہاں مغرب کے اہل فکر سے براہ راست ان کا سابقہ ہوتا ہے تو ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں[1] کہ ان کا سابق اسلامی فکر ریت کے کچے گھروندوں کی طرح جواب دے جاتا ہے اور وہ ریب و تشکک کا شکار ہو کر بعض اوقات بے دینی و الحاد تک جا پہنچتے ہیں —— اس کا ایک شاخسانہ یہ بھی ہے کہ چونکہ یہ مذہبی فکر کسی پختہ اور محکم فلسفیانہ اساس پر قائم نہیں۔ لہٰذا اس میں نمو اور ترقی کی صلاحیتیں بھی مفقود ہیں۔ چنانچہ جماعت اسلامی کے حلقے کے جرائد کو دیکھ لیجئے یا ان کی مطبوعات کو —— حتیٰ کہ ان کے قائم کردہ ریسرچ کے اداروں تک سے جو چیزیں شائع ہو رہی ہیں ان سب میں بس دو ہی چیزیں نظر آئیں گی۔ یا تو "فرمودات مآوزے تنگ" کی طرح "فرمودات مودودی" کی تشریح و توضیح —— یا پھر خالص جماعتی اور تحریکی پروپیگنڈا —— اس میں اگر کوئی اضافہ پچھلے چند سالوں سے ہوا ہے تو صرف یہ کہ الاخوان المسلمون کے اہل قلم کی نگارشات اور ان کی تحریک اور مشرق اوسط کے عام حالات پر معلوماتی مضامین بھی مل جاتے ہیں —— اور بس!

الغرض —— قدیم و جدید کا جو امتزاج سید ابو الاعلیٰ مودودی اور ان کی جماعت کے ذریعے ہوا ہے واقعہ یہ ہے کہ وہ بہت سطحی ہے اور اس نئے پیوند کی اپنی مستقل جڑ کوئی نہیں! لہٰذا نہ صرف یہ کہ اس کے نشوونما اور بڑھنے اور پھولنے کا کوئی امکان نہیں بلکہ اس کا بقاء و وجود بھی بہت مشتبہ ہے!

اس اعتبار سے ہمارے نزدیک برصغیر کی اہم ترین شخصیت علامہ اقبال[2] کی ہے اور علوم و فنون جدیدہ

حاشیہ صفحہ سابق

[1] اس موضوع پر اختصار کے ساتھ راقم نے اپنے کتابچے "اسلام کی نشاۃ ثانیہ" میں بحث کی ہے اور تفصیل کے ساتھ ہندوستان کی جماعت اسلامی کے ایک سابق رکن (جلد رکن شوریٰ) وحید الدین صاحب نے "تعبیر کی غلطی" نامی کتاب میں بحث کی ہے، جس کی ایک تلخیص حال ہی میں "دین کی سیاسی تعبیر" کے نام سے شائع ہوئی ہے۔

[2] اور یہ صورت عموماً نسبتاً ذہین تر نوجوانوں کے ساتھ پیش آتی ہے۔ ورنہ جماعت اسلامی سے قریب کا تعلق رکھنے والے لوگوں کو بخوبی علم کہ اس طرح کے حادثوں (CASUALTIES) کی مثالیں بہت عام ہیں۔

کی روشنی میں "فکر اسلامی کی تشکیل جدید" کے ضمن میں واقعی اور حقیقی قدر و قیمت رکھنے والا کچھ کام اگر کسی نے کیا ہے تو وہ تنہا ان ہی کی ذات ہے۔ چنانچہ اعلیٰ ریاضی و طبیعیات اور اعلیٰ نفسیات کی بنیاد پر انہوں نے مذہب کی بعض اساسات کا اثبات جس طریق پر کیا ہے اور خوگران تجربہ و شہود کے سامنے مذہب کو بھی ایک واقعی اور حقیقی تجربے کی حیثیت سے جس طرح پیش کیا ہے وہ فکر جدید کا رشتہ ایمان کے ساتھ جوڑنے کی ایک اہم کوشش ہے جو بالکل ابتدائی اور بنیادی ہونے کے باوجود اور اپنی بعض خامیوں اور غلطیوں کے علی الرغم نہایت درجہ وقیع اور قابل قدر ہے —— اس موضوع پر تفصیل کے ساتھ ہم ان شاء اللہ آئندہ صحبت میں عرض کریں گے۔

ہم نے جو گزارشات گزشتہ ماہ "تذکرہ و تبصرہ" کے ذیل میں پیش کی تھیں، ان پر ہمیں اپنے بعض دوستوں اور بزرگوں سے تائید و تصویب بھی موصول ہوئی۔ اور بعض حضرات کی طرف سے شدید اختلاف کا اظہار بھی ہوا۔ ہمیں دونوں ہی کی یکساں قدر ہے۔ اور ہم دونوں ہی کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

اختلاف و تنقید کے ذیل میں حکیم عبد الرحیم اشرف صاحب نے اپنے موقر جریدے "المنبر" میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ اگرچہ بہت سخت ہے لیکن ہم دو وجوہات کی بنا پر اس کے ضمن میں کچھ کہنا نہیں چاہتے۔ ایک اس لئے کہ حکیم صاحب موصوف ہمارے بزرگوں میں سے ہیں۔ وہ چاہیں تو کچھ مزید بھی ڈانٹ ڈپٹ لیں۔ یہ ان کا حق ہے۔ جواباً کچھ عرض کرنا ہمارے نزدیک سوء ادب میں شامل ہے۔ اور دوسرے اس لئے کہ ہمارا گمان یہی ہے کہ ان کی اس شدت تاثر کی پشت پر اصل جذبہ بہرحال دین کی حمیت و غیرت ہی کا ہے جو بجائے خود محمود ہے —— البتہ ایک خط جو حیدرآباد سے ابو ریحان عبد الباقی صاحب کا موصول ہوا ہے اسے ہم ان شاء اللہ آئندہ اشاعت میں شائع بھی کریں گے اور اس پر اپنی معروضات بھی پیش کریں گے۔

سردست اپنی تحریر کے مبینہ تضاد کے بارے میں صرف اس قدر عرض ہے کہ علم و فنا ئث الاعضاء کا قانون "ALL OR NONE LAW" اجتماعیات میں نہیں چلتا —— اس میدان میں اکثر و بیشتر صحیح اور غلط اور حق و باطل کے ملغوبے پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ کسی معاملے کے صحیح و غلط اجزاء میں تمیز اور اسے اس کے اصل تاریخی و فکری پس منظر میں رکھ کر دیکھنے کی کوشش کو تضاد نہیں کہا جا سکتا!

ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے نظریات سے ہمیں بھی شدید اختلاف ہے اور ان کے طرز فکر کے بارے میں ہمیں مولانا اصلاحی کی اس رائے سے مکمل اتفاق ہے کہ:۔

"ان حضرات کے سوچنے کا جو انداز ہے وہ اسلامی طرز فکر سے بالکل الگ ہے۔ اس طرح کے لوگ اپنے

طرزِ فکر کی بنیادی کجی کے سبب سے اسلام کے متعلق کوئی صحیح تحقیق کر ہی نہیں سکتے اگر وہ کوئی صحیح بات کبھی کہہ دیں تو وہ ان کے طرزِ فکر کا نتیجہ نہیں ہوگی بلکہ اسے ایک اتفاقی واقعہ سمجھنا چاہیئے"۔

چنانچہ ان کے نظریۂ وحی کو ہم شدید قسم کی غلطی اور "ایمان بالملائکہ" سے اعراض پر مبنی سمجھتے ہیں اور اس پر انشاء اللہ مفصل تنقید بھی اپنے علم کی حد تک کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اسی طرح تشریع و قانون سازی کے باب میں بھی ہمیں نہ صرف ان سے بلکہ علامہ اقبالؒ سے بھی شدید اختلاف ہے جس پر ہم انشاء اللہ آئندہ اشاعت ہی میں اظہارِ خیال کریں گے ——— لیکن اس کا مطلب یہ بہرحال نہیں ہے کہ ہم کسی معاملے میں عدل و انصاف کے تمام تقاضوں سے صرفِ نظر کر لیں۔ اور جس سے بھی ہمیں اختلاف ہو اسے لازماً نہ صرف جاہل بلکہ کافر، زندیق، دشمنِ اسلام اور اعدائے دین کا ایجنٹ ہی قرار دیں۔ اور "لَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۟ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی ۟" کی قرآنی ہدایت کو سرے سے نظرانداز کر دیں۔

بہرحال ہم اللہ تعالیٰ سے بھی دعا کرتے ہیں کہ: اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَهٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَهٗ ۟ اور اپنے بزرگوں اور دوستوں سے بھی استدعا کرتے ہیں کہ وہ ہماری لغزشوں اور غلطیوں پر ہمیں بروقت متنبہ کرتے رہیں۔ ہمارے لئے ان کی تنبیہ و تنقید بھی اتنی ہی خوش آئند ہوگی جتنی تصویب و تائید۔ انشاء اللہ!

ہم سے طلب فرمائیں

انوارِ مجددی

یعنی حضرت مجدد الف ثانیؒ کے چیدہ چیدہ مکتوبات ۔ سلیس اور شگفتہ ترجمہ مع تعارف مکتوب الیہم و حواشی مفیدہ

از پروفیسر یوسف سلیم چشتی

سائز ۲۰×۳۰/۱۶ صفحات ۴۸۰، مجلد مع ڈسٹ کور قیمت چار روپے (محصول ڈاک اس کے علاوہ)

دارالاشاعت الاسلامیہ کوثر روڈ ۔ اسلام پورہ (سابق کرشن نگر) لاہور

تدبرِ قرآن

مولانا امین احسن اصلاحی

تفسیر سورۂ مائدہ

(۷)

۲۰- آگے کا مضمون، آیات ۶۷-۸۶

پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے تاکید فرمائی کہ ان اہل کتاب کی تم مطلق پروا نہ کرو جو اپنی برتری اور پیشوائی کے گھمنڈ میں سرمست ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم بھی ان کا یہ مزعومہ مقام و مرتبہ تسلیم کرو۔ تمہاری ذمہ داری بحیثیت رسول کے بے خوف لومۃ لائم اس حقیقت کا اظہار و اعلان ہے جو تم پر خدا کی طرف سے نازل کی جا رہی ہے۔ یہ تمہاری اپنی بات نہیں ہے کہ کسی کی رو رعایت سے تم اس میں کوئی کمی بیشی کر سکو۔ یہ خدا کا پیغام ہے اور تم اس پیغام ہی کو اس کے مخاطبوں تک پہنچانے کے لیے رسول بنا کر بھیجے گئے ہو۔ اگر اس میں ایک حرف کی بھی کمی بیشی ہوئی تو اس کے معنی یہ ہیں کہ تم نے اپنے فرضِ منصبی کی ادائیگی میں کوتاہی کی۔ اگر اس کے سبب سے وہ تمہارے دشمن ہو جاتے ہیں تو ہو جائیں، تم اس کی پروا نہ کرو۔ اللہ تمہاری حفاظت فرمائے گا اور تمہارے خلاف ان کی کسی چال کو بھی کامیاب نہ ہونے دے گا۔

اس کے بعد نہایت آشکارا الفاظ میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے اہلِ کتاب کو مخاطب کر کے اعلان کر دیا ہے کہ جب تک تم تورات و انجیل اور قرآن کو قائم نہ کرو تمہاری کوئی دینی حیثیت خدا کے ہاں نہیں ہے، خدا کے ساتھ کسی کو کوئی نسبت کسی گروہ کے ساتھ نسبت کی بنا پر حاصل نہیں ہوتی بلکہ اللہ اور آخرت پر ایمان اور عمل صالح کی بنا پر حاصل ہوتی ہے

پھر یہود اور نصاریٰ دونوں کے کفر اور ان کے کفریہ اعمال و عقائد کی تصریح کی ہے اور یہود پر ان کے کفر کے سبب سے حضرت داؤدؑ اور حضرت عیسیٰؑ نے جو لعنت کی ہے اس کا حوالہ دیا ہے تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ ان کے کفر کا مسئلہ آج نہیں پیدا ہوا ہے بلکہ یہ پرانی حکایت ہے۔

آخر میں نصاریٰ کے اس گروہ کی نہایت شاندار الفاظ میں تحسین فرمائی ہے جو حق پر قائم تھا۔ چنانچہ اس نے قرآن کی دعوت کو اپنے دل کی آواز سمجھا اور دلی جوش و خروش کے ساتھ آگے بڑھ کر اس نے اس کو لبیک کہا — اس روشنی میں آیات کی تلاوت فرمائیے۔

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ۖ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ۚ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ۝ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَسْتُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ حَتَّىٰ تُقِيمُوا التَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ ۗ وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِنْهُمْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا ۖ فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ۝ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّابِئُونَ وَالنَّصَارَىٰ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ لَقَدْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَأَرْسَلْنَا إِلَيْهِمْ رُسُلًا ۖ كُلَّمَا جَاءَهُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَىٰ أَنْفُسُهُمْ فَرِيقًا كَذَّبُوا وَفَرِيقًا يَقْتُلُونَ ۝ وَحَسِبُوا أَلَّا تَكُونَ فِتْنَةٌ فَعَمُوا وَصَمُّوا ثُمَّ تَابَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوا وَصَمُّوا كَثِيرٌ مِنْهُمْ ۚ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ۝ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۖ وَقَالَ الْمَسِيحُ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ ۖ إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ ۖ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ۝ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۚ وَإِنْ لَمْ يَنْتَهُوا عَمَّا يَقُولُونَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا

مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ أَفَلَا يَتُوبُونَ إِلَى اللَّهِ وَيَسْتَغْفِرُونَهُ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ ۖ كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ ۗ انْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْآيَاتِ ثُمَّ انْظُرْ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ۝ قُلْ أَتَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا ۚ وَاللَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوا مِنْ قَبْلُ وَأَضَلُّوا كَثِيرًا وَضَلُّوا عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ ۝ لُعِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَىٰ لِسَانِ دَاوُودَ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۚ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ ۝ كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُنْكَرٍ فَعَلُوهُ ۚ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ۝ تَرَىٰ كَثِيرًا مِنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ أَنْفُسُهُمْ أَنْ سَخِطَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خَالِدُونَ ۝ وَلَوْ كَانُوا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالنَّبِيِّ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوهُمْ أَوْلِيَاءَ وَلَٰكِنَّ كَثِيرًا مِنْهُمْ فَاسِقُونَ ۝ لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِلَّذِينَ آمَنُوا الْيَهُودَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا ۖ وَلَتَجِدَنَّ أَقْرَبَهُمْ مَوَدَّةً لِلَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصَارَىٰ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيسِينَ وَرُهْبَانًا وَأَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ۝ وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَىٰ أَعْيُنَهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ ۖ يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ ۝ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا جَاءَنَا مِنَ الْحَقِّ وَنَطْمَعُ أَنْ يُدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصَّالِحِينَ ۝ فَأَثَابَهُمُ اللَّهُ بِمَا قَالُوا جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ وَذَٰلِكَ جَزَاءُ الْمُحْسِنِينَ ۝ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ۝

ترجمہ

اے رسول، تمہاری طرف جو چیز تمہارے رب کی جانب سے اتاری گئی ہے اس کو اچھی طرح پہنچا دو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم نے اس کے پیغام کو نہیں پہنچایا۔ اور اللہ لوگوں سے تمہاری حفاظت کرے گا۔ اللہ کافروں کو ہرگز راہ یاب نہیں کریگا۔ ۶۷

کہہ دو، اے اہلِ کتاب، تمہاری کوئی بنیاد نہیں ہے جب تک تورات، انجیل اور اس چیز کو قائم نہ کرو جو تمہاری طرف تمہارے رب کی جانب سے اتاری گئی ہے لیکن وہ چیز جو تیری طرف تیرے رب کی جانب سے اتاری گئی ہے وہ ان میں سے بہتوں کی سرکشی اور ان کے کفر میں اضافہ کرے گی تو تم اس کافر قوم پر غم نہ کرو۔ بیشک جو ایمان لائے، جو یہودی ہوئے اور صابئ اور نصاریٰ، جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے تو اُن کو نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ ۶۸ - ۶۹

ہم نے بنی اسرائیل سے میثاق لیا اور ان کی طرف بہت سے رسول بھیجے۔ جب جب آیا ان کے پاس کوئی رسول ایسی بات لے کر جو ان کی خواہش کے خلاف ہوئی تو ایک گروہ کی انہوں نے تکذیب کردی اور ایک گروہ کو قتل کرتے رہے اور انہوں نے گمان کیا کہ کوئی پکڑ نہیں ہوگی، پس اندھے اور بہرے بن گئے۔ پھر اللہ نے ان پر رحمت کی نگاہ کی۔ پھر ان میں سے بہت سے اندھے بہرے بن گئے اور اللہ دیکھ رہا ہے جو کچھ یہ کر رہے ہیں۔"

بے شک ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے کہا کہ خدا تو یہی مسیح ابن مریم ہے اور حال یہ ہے کہ مسیح نے کہا کہ اے بنی اسرائیل اللہ کی بندگی کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔ جو کوئی اللہ کا شریک ٹھہرائے گا تو اللہ نے اس پر جنت حرام کردی اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ اور ان ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔ ان لوگوں نے بھی کفر کیا جنہوں نے کہا کہ اللہ تین کا تیسرا ہے۔ حالانکہ نہیں ہے کوئی معبود مگر ایک ہی معبود اور اگر یہ باز نہ آئے ان باتوں سے جو یہ کہہ رہے ہیں تو ان میں سے جنہوں نے کفر کیا ان کو ایک دردناک عذاب پکڑے گا۔ کیا یہ اللہ کی طرف رجوع اور اس سے مغفرت طلب نہیں کرتے اور اللہ مغفرت فرمانے والا اور مہربان ہے۔ مسیح ابن مریم تو بس ایک رسول ہیں۔ ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزرے ہیں۔ اور ان کی ماں ایک صداقت شعار بندی تھیں۔ دونوں کھانا کھاتے تھے۔ دیکھو، کس طرح ہم ان کے

سامنے اپنی آیتیں کھول کر بیان کر رہے ہیں، پھر دیکھو کہ وہ کس طرح اوندھے ہوئے جا رہے ہیں۔ کہو کیا تم اللہ کے سوا اس چیز کی بندگی کرتے ہو جو تمہارے لیے کسی نقصان اور نفع پر اختیار نہیں رکھتی اور سننے والا اور جاننے والا تو بس اللہ ہی ہے۔ کہہ دو، اے اہلِ کتاب اپنے دین میں بیجا غلو نہ کرو اور ان لوگوں کی بدعات کی پیروی نہ کرو جو اس سے پہلے گمراہ ہوئے اور جنہوں نے بہتوں کو گمراہ کیا اور جو راہ راست سے بھٹک گئے۔ ۷۲ - ۷۷

بنی اسرائیل میں سے جنہوں نے کفر کیا ان پر داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان سے لعنت ہوئی۔ یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے نافرمانی کی اور حد سے آگے بڑھ جایا کرتے تھے۔ جس برائی کو اختیار کر لیتے اس سے باز نہ آتے۔ نہایت ہی بری بات تھی جو یہ کرتے تھے۔ تم ان میں سے بہتوں کو دیکھو گے کہ کفار کو اپنا دوست بناتے ہیں۔ نہایت برا توشہ ہے جو انہوں نے اپنے لیے بھیجا کہ خدا کا ان پر غضب ہوا اور عذاب میں وہ ہمیشہ رہنے والے بنے۔ اگر یہ اللہ پر، نبی پر اور اس پر جو اس کی طرف اتارا، ایمان رکھنے والے ہوتے تو ان کفار کو دوست نہ بناتے لیکن ان میں سے تو اکثر نافرمان ہیں۔ ۸۰ - ۸۱

تم ایمان والوں کی دشمنی میں سب سے زیادہ سخت، یہود اور مشرکین کو پاؤ گے، اور اہلِ ایمان کی دوستی سے قریب تر ان لوگوں کو پاؤ گے جنہوں نے کہا کہ ہم نصاریٰ ہیں۔ یہ اس وجہ سے کہ ان کے اندر عالم اور راہب ہیں اور یہ تکبر نہیں کرتے۔ اور جب یہ سنتے ہیں اس چیز کو جو رسول کی طرف اتاری گئی ہے تو تم دیکھو گے کہ حق کو پہچان لینے کے سبب سے ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ وہ پکار اٹھتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم ایمان لائے، تو ہمیں اس کی گواہی دینے والوں میں لکھ۔ اور آخر ہم اللہ پر اور اس حق پر جو ہم کو پہنچا ایمان کیوں نہ لائیں جبکہ ہم یہ توقع رکھتے ہیں کہ ہمارا رب ہمیں نیکوکاروں کے زمرے میں شامل کرے گا۔ تو اللہ نے ان کے اس قول کے صلے میں ان کو ہمیشہ رہنے کے لیے ایسے باغ عطا فرمائے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور خوب کاروں کا یہی صلہ ہے۔ اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا، وہ دوزخ میں پڑنے والے ہیں۔ ۸۲ - ۸۶

۲۱- الفاظ کی تحقیق اور جملوں کی وضاحت

یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَؕ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗؕ وَ اللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْكٰفِرِیْنَ - ۶۷

'یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ' یہ آیت مہید ہے اس عظیم پیغام کی جو اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کیا جا رہا ہے کہ آپ بے کم و کاست یہود و نصاریٰ کو وہ سنا دیں۔ یہ پیغام آگے آیت ۶۸ سے آیت ۸۶ تک پھیلا ہوا ہے اور اس میں نہایت واضح طور پر ان دونوں گروہوں کو یہ بتایا گیا ہے کہ جب تک تم تورات و انجیل اور اللہ کی اس آخری کتاب قرآن کو قائم نہ کرو تمہاری کوئی دینی حیثیت نہیں ہے۔ خدا کے ساتھ کسی کو کوئی نسبت کسی گروہ سے نسبت کی بنا پر حاصل نہیں ہوتی بلکہ ایمان اور عمل صالح کی بنا پر حاصل ہوتی ہے اور اس سے تم بالکل محروم ہو چکے ہو۔ یہود نے اللہ کے میثاق کو توڑا، اس کے رسولوں کی تکذیب کی اور ان کو قتل کیا اور توحید سے ہو کر اندھے بہرے بن گئے۔ نصاریٰ نے مسیح کی تعلیمات کے بالکل خلاف بت پرستوں کی پھیلائی ہوئی گمراہیوں کو اپنا دین بنا لیا اور کفر و شرک میں مبتلا [illegible] یہ پیغام بڑا اہم تھا۔ یہود و نصاریٰ دونوں کی دینی حیثیت پر یہ آخری ضرب لگائی جا [illegible] درحقیقت اس وقت رکھائی جا رہی تھی جب وہ پورا زور اس بات کے لیے لگا رہے تھے کہ مسلمان ان کی دینی حیثیت تسلیم کریں۔ اس وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاص طور پر رسول کے لفظ سے خطاب کر کے یہ پیغام آپ کے حوالے کیا گیا جس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ رسول خدا کا پیغامبر ہوتا ہے اس وجہ سے یہ اس کا فرض منصبی ہے کہ خدا کی طرف سے جو کچھ اس پر اتارا جائے وہ بے کم و کاست اس کے مخاطبوں تک پہنچا دے، قطع نظر اس سے کہ اس پیغام سے ان کے اندر کیا ہلچل برپا ہوتی ہے۔ اور وہ پیغام اور پیغامبر کے ساتھ کیا معاملہ کرتے ہیں۔

'وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ' یہ تاکید مزید ہے کہ [illegible] کی رو رعایت یا اس کے متوقع ردعمل کے اندیشہ سے اس میں کوئی کوتاہی ہوئی تو یہ کوتاہی علاوہ اس فریضہ منصبی کی ادائیگی میں کوتاہی ہوئی جس کی ادائیگی ہی کے لیے اللہ کسی کو اپنا رسول

مقرر کرتا ہے۔ یہ ملحوظ رہے کہ اس تاکید مزید میں جو شدت ہے اگرچہ اس کا خطاب ظاہر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے ہے لیکن حقیقت میں اس کا رخ یہود و نصاریٰ کی طرف ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو خطاب کرنا پسند نہیں فرمایا اس وجہ سے پیغمبر کو خطاب کر کے یہ واضح فرما دیا کہ اس پیغام کی اہمیت کیا ہے اور کس قطعیت اور کس حتمی فیصلہ کے ساتھ اس کا بھیجا جانا منظور ہے۔

'وَ اللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ' میں 'النَّاس' اگرچہ عام ہے لیکن قرینہ دلیل ہے کہ یہاں مراد اہل کتاب بالخصوص یہود ہیں۔ یوں تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے خلاف برابر سازشوں میں مصروف رہتے تھے لیکن آگے آنے والے اعلان کے بعد وہ کسی سمجھوتے کی توقع سے آخری درجے میں مایوس ہو کر اپنی آخری بازی بھی کھیل جانے کے لیے تیار ہو سکتے تھے۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اطمینان دلایا کہ تم ان کی مخالفت و عداوت کی کوئی پروا نہ کرو۔ ان شیاطین کے ہر شر سے خدا تمہیں محفوظ رکھے گا۔ 'اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْكٰفِرِیْنَ' اللہ ان کی کسی چال کو بھی تمہارے خلاف بامراد نہیں ہونے دے گا۔ 'ہدیٰ یہدی' کا لفظ ہم دوسرے مقام میں تفصیل کے ساتھ بتا چکے ہیں کہ کسی کو اس کی کوششوں اور تدبیروں میں بامراد کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اوپر آیت کلما اوقدوا نارا للحرب اطفاھا اللہ ویسعون فی الارض فسادا واللہ لا یحب المفسدین میں یہی مضمون دوسرے الفاظ میں گزر چکا ہے۔

قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَیْءٍ حَتّٰى تُقِیْمُوا التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِیْلَ وَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْؕ وَ لَیَزِیْدَنَّ كَثِیْرًا مِّنْهُمْ مَّاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْیَانًا وَّ كُفْرًاۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ ۝ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِیْنَ هَادُوْا وَ الصّٰبِـُٔوْنَ وَ النَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ - ۶۸ - ۶۹

یہ وہ پیغام ہے جو اہل کتاب کو، عام اس سے کہ وہ یہود ہیں یا نصاریٰ، سنانے کے لیے آنحضرت کو حکم ہوا۔ وہ یہ ہے کہ جب تک تم تورات، انجیل اور اس چیز کو جو تمہاری طرف تمہارے رب کی جانب سے اتاری گئی ہے قائم نہ کرو اس وقت تک تمہاری کوئی بنیاد نہیں ہے۔ تم تو اپنے آپ کو ایک برگزیدہ امت، خدا کے محبوب اور چہیتے، برگزیدوں اور چہیتوں کی اولاد، آخرت

کی سزا سے محفوظ، خداوند کا خاص گھرانا اور معلوم نہیں کیا کیا بنائے بیٹھے ہو لیکن یہ سب جھوٹی آرزوئیں اور خواب کی باتیں ہیں، جب آنکھ کھلے گی تو دیکھو گے کہ تم ہوا میں اڑتے اور خیالی محل آراستہ کرتے رہے ہو۔ تورات اور انجیل اور خدا کی اتاری ہوئی چیز کو قائم کرنے کا مطلب ہم اوپر عرض کر چکے ہیں کہ زندگی کے معاملات و مسائل سے عملاً ان کا ربط قائم کرنا ہے۔ اس سورہ میں تفصیل کے ساتھ یہ بحث گزر چکی ہے کہ یہ خدا کے عہد و میثاق کے صحیفے ہیں۔ ان میں خدا نے اپنے احکام و قوانین دیئے اور یہ عہد لیا کہ انہی کے مطابق زندگی گزاری جائے اور انہی کے مطابق باہمی نزاعات کے فیصلے کئے جائیں۔ اسی ذمہ داری کے سبب ان کے حاملین کو قوامین بالقسط اور شہداء اللہ کا لقب عطا ہوا۔ اگر اس عہد کی دھجیاں بکھیر دی گئی ہیں اور زندگی سے عملاً ان کا کوئی تعلق یا تو سرے سے باقی ہی نہیں رہا ہے یا باقی ہے تو صرف اس حد تک جس حد تک اپنی خواہشوں کی سند اس سے حاصل ہو سکے تو آخر دینی پیشوائی، مذہبی تقدس اور خدا رسیدگی کے یہ سارے دعوے کس بنیاد پر ہیں؟ ایسے لوگوں کو خدا سے کیا تعلق اور خدا کو ایسے لوگوں سے کیا واسطہ؟

وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ، سے مراد قرآن مجید ہے۔ قرآن مجید کے سوا کوئی اور چیز مراد لینے کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔ آگے فوراً ہی اس چیز کو 'ما انزل الیک من ربک' کے الفاظ سے تعبیر کر کے بالکل واضح معین کر دیا ہے کہ اس سے مراد قرآن ہی ہے۔ یہاں قرآن کی تعبیر 'وما انزل الیکم من ربکم' کے الفاظ سے کرنے میں اہل کتاب پر اتمام حجت کا ایک پہلو ہے۔ وہ یہ کہ تورات اور انجیل دونوں میں اہل کتاب سے اللہ تعالیٰ نے یہ عہد لیا تھا کہ تمہارے پاس ان صفات کا پیغمبر خدا کا آخری اور کامل صحیفہ لے کر آئے گا تو تم اس پر ایمان لانا، اس کی پیروی کرنا، اس کی مدد کرنا اور اس کی گواہی دینا۔ اسی پہلو کی طرف یہاں اشارہ ہے اور اس موقع پر جبکہ قرآن ان تمام صفات کے مطابق، جو ان صحیفوں میں اس کی بیان ہوئیں، نازل ہو چکا تو تورات اور انجیل کا قائم کرنا یہی ہے کہ خدا کی اتاری ہوئی اس چیز کو اہل کتاب قائم کریں۔ اس کا قائم ہونا ہی تورات اور انجیل سب کا قائم ہونا ہے۔

وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ الاية، یعنی ہونا تو یہ تھا کہ یہ اس کتاب کے علمبردار بنتے اور اس طرح تورات و انجیل کے قائم کرنے والے بنتے جن کے قائم کرنے کا ان سے عہد لیا گیا تھا اور اپنے عہد و میثاق کی ذمہ داری سے سبکدوش اور عند اللہ و عند الناس سرخرو ہوتے،

لیکن ہو یہ رہا ہے کہ اس کتاب نے ان کی سرکشی اور ان کے کفر میں مزید اضافہ کر دیا ہے۔ آگے یہود کی سرکشی اور نصاریٰ کے کفر و شرک کی تفصیل آ رہی ہے۔ قاعدہ ہے کہ جو حسد دبا ہوا ہوتا ہے جب اس کا اصل محرک سامنے آتا ہے تو وہ حسد پوری شدت کے ساتھ بھڑک اٹھتا ہے۔ اہل کتاب کو بنی اسمٰعیل پر غصہ تو پہلے سے تھا کہ آخری رسول کی بعثت ان کے اندر ہونے والی ہے لیکن یہ غصہ دبا ہوا تھا، جب انہوں نے دیکھا کہ یہ چیز واقعہ کی صورت میں ظاہر ہو گئی تو ان کے حسد کی آگ پوری طرح بھڑک اٹھی۔ حالانکہ ان کو سوچنا تھا کہ اگر وہ قرآن کو قبول کرتے اور اس کو قائم کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے تو کسی دوسرے کا کام نہ کرتے بلکہ خود اپنی ہی ذمہ داری ادا کرتے اس لیے کہ قرآن کو قائم کرنا، جیسا کہ ہم نے اوپر اشارہ کیا، صرف قرآن ہی کو قائم کرنا نہیں بلکہ تورات و انجیل کو بھی قائم کرنا تھا اس لیے کہ یہ انہی کی پیشین گوئیوں کی تکمیل ہو رہی تھی لیکن جب کسی قوم کی مت ماری جاتی ہے تو وہ اسی طرح اندھی ہو جاتی ہے۔ چنانچہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی کہ ان لوگوں کے حال پر غم نہ کرو۔ انہوں نے اپنی ہلاکت کو خود دعوت دی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا الاية، یہ آیت بعینہ بقرہ میں بھی گزر چکی ہے۔ ملاحظہ ہو آیت ۶۲۔ بس دونوں میں صرف یہ فرق ہے کہ وہاں 'صابئین' ہے اور یہاں 'صابئون'۔ وہاں 'نصاریٰ' کا لفظ 'صابئین' پر مقدم ہے، یہاں مؤخر۔ یہ محض اسلوب کا تنوع ہے۔ 'صابئون' یہاں محل پر عطف ہونے کی وجہ سے حالت رفع میں ہو گیا ہے۔ اس آیت کے تمام الفاظ بقرہ کی تفسیر میں زیر بحث آ چکے ہیں۔ یہ جس سیاق و سباق میں وہاں وارد ہوئی ہے اسی سیاق و سباق میں یہاں بھی ہے۔ یہ درحقیقت اوپر اہل کتاب کو مخاطب کر کے جو بات ارشاد ہوئی ہے اس کی مزید وضاحت ہوئی ہے کہ خدا کے ہاں کسی کو کوئی درجہ و مرتبہ کسی گروہ کے ساتھ نسبت کی بنا پر حاصل نہیں ہوتا، جیسا کہ یہود و نصاریٰ نے سمجھ رکھا ہے، بلکہ ایمان باللہ، ایمان بالآخرۃ اور عمل صالح کی بنا پر حاصل ہوتا ہے۔ اگر یہ چیز حاصل نہ ہو تو ہر چند کوئی شخص مسلمانوں ہی کے گروہ سے وابستہ ہونے کا مدعی ہو، خدا کے ہاں اس کی بھی کوئی حیثیت نہیں ہے اور اگر یہ چیز حاصل ہے تو وہ صابئین کے گروہ سے بھی ہو، اللہ کے ہاں وہ اپنے ایمان کے اعتبار سے مرتبہ پائے گا۔ مقصود اس آیت کا، جیسا کہ بقرہ کی تفسیر میں بیان ہو چکا ہے، محض گروہی فخر و غرور کا ابطال ہے نہ کہ اجزائے ایمان کی تفصیل۔ یہاں 'اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا' سے مراد مسلمان بحیثیت گروہ کے ہیں جس سے اس حقیقت کا اظہار مقصود ہے کہ اگر مسلمان بھی ایمان باللہ، ایمان بالآخرۃ اور عمل صالح سے بے نیاز

ہو کر محض اپنی گروہی نسبت ہی کو نجات کا ضامن سمجھ بیٹھیں تو ان کے لیے بھی یہی حکم ہے۔ بلکہ سر فہرست ان ہی کا نام ہے۔

لَقَدْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَأَرْسَلْنَا إِلَيْهِمْ رُسُلًا ۖ كُلَّمَا جَاءَهُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَىٰ أَنْفُسُهُمْ فَرِيقًا كَذَّبُوا وَفَرِيقًا يَقْتُلُونَ ۝ وَحَسِبُوا أَلَّا تَكُونَ فِتْنَةٌ فَعَمُوا وَصَمُّوا ثُمَّ تَابَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوا وَصَمُّوا كَثِيرٌ مِنْهُمْ ۚ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ۔ ۷۰-۷۱

اب یہ اس بات کی دلیل بیان ہو رہی ہے کہ کیوں ان اہل کتاب کی اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی دینی حیثیت نہیں ہے؟ فرمایا کہ ان سے جس کتاب و شریعت کی پابندی کا عہد لیا گیا تھا اور جس کی تجدید اور یاد دہانی کے لیے اللہ نے یکے بعد دیگرے اپنے بہت سے رسول اور نبی بھی بھیجے، اس عہد کو انہوں نے توڑ دیا اور جو رسول اس کی تجدید اور یاد دہانی کے لیے آئے ان کی باتوں کو اپنی خواہشات کے خلاف پا کر یا تو ان کی تکذیب کر دی یا ان کو قتل کر دیا۔ اس قتل اور تکذیب کی تفصیل سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے۔

وَحَسِبُوا أَلَّا تَكُونَ فِتْنَةٌ الآیہ۔ 'فتنہ' کے معنی آزمائش و ابتلا کے ہیں آزمائش چونکہ پکڑ کی شکل میں بھی ہوتی ہے اور یہاں موقع اسی کا ہے اس وجہ سے ہم نے اس کے معنی پکڑ کے لیے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ بنی اسرائیل نے رسولوں کی تکذیب اور ان کے قتل کے جو جرائم کیے ان پر ان کی فوری پکڑ نہیں ہوئی تو وہ یہ سمجھ بیٹھے کہ اب کوئی پکڑ ہونی ہی نہیں۔ حالانکہ اللہ کی سنت یہ نہیں ہے کہ وہ لازماً ہر جرم کی سزا فوراً ہی دے۔ بلکہ وہ مجرموں کو ڈھیل دیتا ہے تاکہ وہ توبہ و اصلاح کر لیں ورنہ اپنا پیمانہ اچھی طرح بھر لیں۔ بنی اسرائیل نے اس ڈھیل کو اپنے لیے لیسنس سمجھ لیا اور اندھے بہرے بن گئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ خدا نے ان کو پکڑا۔ پھر انہوں نے توبہ و اصلاح کی تو اللہ نے ان پر رحمت کی نگاہ کی لیکن اس کے بعد وہ پھر اندھے بہرے بن گئے۔ لیکن وہ اندھے بہرے بن گئے ہیں تو بن جائیں خدا تو بصیر ہے، وہ ان کی ساری کرتوت دیکھ رہا ہے اور جب دیکھ رہا ہے تو لازماً وہ ان کو سزا دیے بغیر بھی نہیں رہے گا۔[۱]

آیت میں بنی اسرائیل کے دو مرتبہ اندھے بہرے بن جانے اور پھر ان پر گرفت ہونے کا ذکر ہے۔

---

[۱] اس آیت کے اشارات کو سمجھنے کے لیے ملاحظہ ہو غیاہ ۹ : ۲۴-۳۸

یہاں حذف کا یہ اسلوب ملحوظ رہے کہ ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ سے پہلے یہ مضمون محذوف ہے کہ اللہ نے ان کو پکڑا تو انہوں نے توبہ و اصلاح کی، جس سے یہ بات نکلتی ہے کہ پہلی پکڑ کے بعد تو انہوں نے توبہ و اصلاح کی لیکن دوسری پکڑ کے بعد وہ بدستور اندھے بہرے بنے ہوئے ہیں، اور قرآن نے ان کو توبہ و اصلاح کی جو دعوت دی ہے اس سے اپنی شامت اعمال کے سبب سے گریز کر رہے ہیں۔ اس مقام پر میرا ذہن بار بار اس طرف جاتا ہے کہ یہ ان کی تاریخ کی ان دو بڑی تباہیوں کی طرف اشارہ ہے جن میں وہ اپنی بداعمالیوں کے سبب سے بخت نصر اور ٹیٹس کے ہاتھوں مبتلا ہوئے۔ سورۂ بنی اسرائیل آیات ۴ - ۸ میں ان حوادث کی طرف اشارہ ہے۔ وہاں ہم انشاء اللہ ان کی تفصیل کریں گے اور دکھائیں گے کہ بنی اسرائیل نے قرآن کا انکار کر کے کس طرح نہ صرف خدا کی دوسری پکڑ سے نجات حاصل کرنے کا راستہ اپنے اوپر بند کر لیا بلکہ ہمیشہ ہمیش کے لیے اپنے اوپر اس کی رحمت کے دروازے بند کر لیے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۖ وَقَالَ الْمَسِيحُ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ ۖ إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ ۖ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ۔ ۷۲

یہود کے بعد اب یہ نصاریٰ کے کفر و شرک کا بیان ہوا تاکہ ان کی حقیقت بھی واضح ہو جائے کہ دین کے پلڑے میں ان کا کیا وزن ہے۔ ان کا ذکر آل عمران ۳۳ - ۶۲ اور نساء ۱۷۱ - ۱۷۳ میں بھی ہو چکا ہے۔ وہاں بہت سی باتوں کی وضاحت ہو چکی ہے۔ متعلقہ آیات کے تحت ہم نے واضح کیا ہے کہ نصاریٰ حلول اور تثلیث دونوں ہی کے قائل تھے اور یہ دونوں باتیں کفر ہیں۔ یہاں حلول کا کفر ہونا بیان فرمایا ہے، آگے والی آیت میں عقیدہ تثلیث کے کفر ہونے کی تصریح ہے۔ اعبدوا اللہ ربی و ربکم، پر انجیلوں کے حوالے نقل ہو چکے ہیں۔ انہ من یشرک باللہ الآیہ، حضرت مسیح کے کلام کا جزو نہیں ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصاریٰ کو تنبیہ ہے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۚ وَإِنْ لَمْ يَنْتَهُوا عَمَّا يَقُولُونَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ أَفَلَا يَتُوبُونَ إِلَى اللَّهِ وَيَسْتَغْفِرُونَهُ ۚ

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○ مَا الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ
خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَاُمُّهٗ صِدِّیْقَةٌ كَانَا یَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ
اُنْظُرْ كَیْفَ نُبَیِّنُ لَهُمُ الْاٰیٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰی یُؤْفَكُوْنَ ○ قُلْ
اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا
وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۔ ۷۴ - ۷۶

'ثالث ثلاثۃ' ۔ عقیدۂ تثلیث کی حقیقت پر آل عمران اور نساء میں بحث گزر چکی ہے۔ اس اسلوب میں اس عقیدے کو تعبیر کرنے سے اس کا گھناؤنا پن واضح ہوتا ہے۔ اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ کائنات کا خالق و مالک تو اللہ وحدہٗ لا شریک ہے لیکن ان ظالموں نے اس کی خدائی کو تین میں تقسیم کرکے اس کو تین کے تیسرے کا درجہ دے رکھا ہے۔

'لَیَمَسَّنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ' یہاں 'منھم' کے لفظ سے یہ بات نکلتی ہے کہ اگرچہ عقیدۂ تثلیث کفر ہے اور اس کے ماننے والوں کے لیے دردناک عذاب ہے لیکن ان کے لیے توبہ و اصلاح کا دروازہ اب بھی کھلا ہوا ہے۔ جو ان میں سے قرآن کی دعوت قبول کرکے اپنی اصلاح کرلیں گے وہ اپنے آپ کو اس عذاب سے بچالیں گے لیکن جو اب بھی باز نہ آئے تو وہ لازماً اس عذاب سے دوچار ہوں گے۔ چنانچہ اسی مضمون کو واضح کرنے کے لیے اس کے ساتھ 'اَفَلَا یَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَیَسْتَغْفِرُوْنَهٗ الایہ' کا ٹکڑا ملایا ہے۔

'مَا الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ الایہ' یعنی مسیح ابن مریم کو تم نے خدا بنا کے رکھ دیا حالانکہ وہ اللہ کے رسولوں میں سے بس ایک رسول ہیں۔ ان سے پہلے بھی بے شمار رسول گزر چکے ہیں۔ جس طرح وہ خدا کے رسول تھے اسی طرح یہ بھی خدا کے رسول تھے۔ مزاج، کردار، دعوت، عبدیت، خشیت اور بشریت ہر چیز میں مشترک اور ایک دوسرے سے مشابہ۔ پھر اسی زمرے کے ایک فرد کو خدائی میں شریک کر دینے کے کیا معنی؟ 'وَاُمُّهٗ صِدِّیْقَةٌ' ان کی ماں جنہوں نے ان کو جنا، خدا کی نہایت وفادار اور صداقت شعار بندی تھیں، مومنہ، عابدہ، قانتہ۔ مزید برآں یہ کہ یہ ماں بیٹے دونوں کھانا کھاتے تھے، اپنی زندگی کو قائم رکھنے کے لیے اسی طرح غذا اور پانی کے محتاج تھے جس طرح ہر انسان ان کا محتاج ہوتا ہے۔ ان تمام باتوں کی دلیل خود انجیلوں میں موجود ہے۔ آخر غذا، پانی اور تمام

انسانی ضروریات کی محتاج مخلوق کو خدا یا خدائی میں شریک کس طرح مان بیٹھے ہو؟

یہاں یہ بات ملحوظ رکھنے کی ہے کہ غذا اور پانی کی احتیاج یوں تو بشریت کی دلیل ہے ہی لیکن اہل کتاب بالخصوص نصاریٰ کے ہاں تو یہ ایک مسلّم دلیل بشریت ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کے پاس جب فرشتے بیٹے کی ولادت کی بشارت اور قوم لوط کے لیے عذاب لے کر آئے تو حضرت ابراہیمؑ نے ان کو اول اول بشر سمجھا اور ان کی ضیافت کے لیے ان کے سامنے بچھڑے کا بھنا ہوا گوشت پیش کیا۔ لیکن جب انہوں نے کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا تو حضرت ابراہیمؑ فوراً تاڑ گئے کہ یہ بشر نہیں بلکہ خدا کے فرشتے ہیں۔

اسی طرح انجیلوں میں خود حضرت عیسیٰؑ کے متعلق ہے کہ جب ان کے شاگرد ان کو ایک روح سمجھ کر ان سے ڈرے تو انہوں نے بھنی ہوئی مچھلی کا ایک ٹکڑا ان کے سامنے کھا کر ان کو اطمینان دلایا کہ وہ کوئی روح نہیں بلکہ آدمی ہیں۔ لوقا میں ہے۔

> وہ یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ یسوع آپ اُن کے بیچ میں آکھڑا ہوا اور اُن سے کہا تمہاری سلامتی ہو مگر انہوں نے گھبرا کر اور خوف کھا کر یہ سمجھا کہ کسی روح کو دیکھتے ہیں۔ اس نے ان سے کہا تم کیوں گھبراتے ہو اور کس واسطے تمہارے دل میں شک پیدا ہوتے ہیں ○ میرے ہاتھ اور میرے پاؤں دیکھو کہ میں ہی ہوں۔ مجھے چھو کر دیکھو کیونکہ روح کے گوشت اور ہڈی نہیں ہوتی، جیسا مجھ میں دیکھتے ہو اور یہ کہہ کر اس نے اپنے ہاتھ اور پاؤں دکھائے ○ جب مارے خوشی کے ان کو یقین نہ آیا اور تعجب کرتے تھے تو اس نے ان سے کہا کیا یہاں تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے؟ انہوں نے اسے بھنی ہوئی مچھلی کا قتلہ دیا ○ اس نے لے کر ان کے روبرو کھایا۔ لوقا ۲۴: ۳۶-۴۳

'اُنْظُرْ كَیْفَ نُبَیِّنُ لَهُمُ الْاٰیٰتِ الایہ' 'انظر' اظہار تعجب کے مفہوم میں ہے۔ یہاں بات چونکہ اتنی وضاحت کے ساتھ بیان ہوئی ہے کہ صرف انتہائی غبی یا انتہائی ہٹ دھرم ہی اس کو سمجھنے سے محروم رہ سکتا ہے اس لیے فرمایا کہ اس وضاحت کے باوجود ان کی کج فہمی اور ہٹ دھرمی دیکھو کہ کس طرح ان کی عقل الٹ کے رہ گئی ہے!

'قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ الایہ' مطلب یہ ہے کہ انسان کو عبادت تو صرف اس ذات کی کرنی چاہیے جو حقیقی معنوں میں نافع و ضار ہے۔ ایسی ذات صرف خدا کی ذات ہے۔ وہی نافع و ضار بھی ہے اور وہی سمیع و علیم بھی ہے۔ دوسروں کی عبادت سے

کیا حاصل جو نہ نافع و ضار ہیں کچھ سمیع و علیم -!

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَاۗءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَاۗءِ السَّبِيْلِ ۔ ۷۷

نصاریٰ کا غلو

خطاب اگرچہ ظاہر میں عام اہل کتاب سے ہے لیکن اس کا رُخ نصاریٰ ہی کی طرف ہے۔ ان کے غلو پر سورۂ نساء کی آیت ۱۷۱ کے تحت مفصل بحث ہو چکی ہے۔ جس طرح یہود کی عام بیماری دین کے معاملے میں تفریط کی رہی ہے اسی طرح نصاریٰ کی عام بیماری افراط اور غلو کی رہی ہے اور یہ افراط و تفریط دونوں ہی چیزیں دین کو برباد کرنے والی ہیں۔ اسی غلو کا کرشمہ ہے کہ نصاریٰ نے حضرت مسیحؑ کو رسول سے خدا بنا ڈالا پھر ان کی ماں اور روح القدس کو بھی خدائی میں شریک کر دیا۔ رہبانیت کا نظام جو انہوں نے کھڑا کیا اس کے متعلق بھی قرآن نے تصریح فرمائی ہے کہ یہ ان کے غلو ہی کا کرشمہ ہے۔

نصرانیت تمام تر بت پرست قوموں کی نقالی ہے

'وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَاۗءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا'۔ 'اھواء' سے مراد بدعات ہیں۔ بدعات جس قدر بھی ہیں سب خواہشوں سے پیدا ہوتی ہیں۔ انسان جب اپنی کسی خواہش کو دین بنانا چاہتا ہے تو اس کے لیے کوئی بدعت ایجاد کرتا ہے اور اس پر دین کا ملمع چڑھانے کی کوشش کرتا ہے۔ بدعات کے لیے اس لفظ کو استعمال کر کے قرآن نے ان کے اصل منبع کا پتہ دے دیا۔ 'قوم' سے اشارہ سینٹ پال اور اس کے ساتھیوں کی طرف ہے جنہوں نے نصرانیت کا حلیہ بگاڑا اور بت پرست قوموں کی نقالی میں تثلیث وغیرہ کا ڈھونگ رچایا۔ 'قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ' سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان تمام بدعات کا مواد انہوں نے اپنی سابق ضلالتوں سے لیا ہے، نصرانیت میں داخل ہونے سے قبل وہ جن گمراہیوں میں مبتلا رہے تھے انہی گمراہیوں پر انہوں نے نصرانیت کا ملمع چڑھانے کی کوشش کی اور اس طرح وہ خود بھی شاہراہ حق سے بھٹکے اور دوسروں کو بھی انہوں نے گمراہ کیا۔ اس اسلوب بیان میں درپردہ نصاریٰ کے لیے یہ تلقین ہے کہ آج جس چیز کو تم نصرانیت سمجھ رہے ہو یہ تمہارے اپنے گھر کی چیز نہیں ہے بلکہ یہ تمام تر بت پرست قوموں سے برآمد کردہ چیز ہے جو تم پر لاد دی گئی ہے۔

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ عَلٰي لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝ تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۝ وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَاۗءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۔ ۷۸-۸۱

یہود پر انبیاء کی لعنت

'لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ الآیہ'۔ یہ بنی اسرائیل کے ذکر کو پھر لے لیا کہ آج تو انہوں نے اپنی پاک دامنی اور برگزیدگی کی حکایت اتنی بڑھا رکھی ہے لیکن ان کا حال یہ رہا ہے کہ داؤد سے لے کر عیسیٰ ابن مریم تک ہر نبی نے ان کی حالت پر نوحہ کیا ہے۔ زبور کے مزامیر میں جگہ جگہ ایسی چیزیں ملتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کی بدعہدیوں سے حضرت داؤدؑ کا دل نہایت زخمی تھا اور اپنی دعاؤں اور مناجاتوں میں انہوں نے بار بار ان پر لعنت کی ہے۔ ملاحظہ ہو زبور باب ۱۲: ۱-۳ باب ۲۸: ۳-۶ باب ۴۰: ۱۰-۱۷؛ باب ۶۸: ۱-۴ باب ۱۰۹: باب ۱۴۰: ۶-۱۱- باب ۵۹ کے متعلق بھی شارحین کی تصریح ہے کہ اس میں بنی اسرائیل ہی پر لعنت ہے۔ ان مناجاتوں کا جو انداز ہے اس کی مثال کے لیے ایک مناجات کا ایک ٹکڑا پیش کیا جاتا ہے۔

"لیکن خدا شریر سے کہتا ہے
تجھے میرے آئین بیان کرنے سے کیا واسطہ
اور تو میرے عہد کو اپنی زبان پر کیوں لاتا ہے؟
جب کہ تجھے تربیت سے عداوت ہے
اور میری باتوں کو پیٹھ پیچھے پھینک دیتا ہے
تو چور کو دیکھ کر اس سے مل گیا
اور زانیوں کا شریک رہا ہے
تیرے منہ سے بدی نکلتی ہے

اور تیری زبان فریب گھڑتی ہے
تو بیٹھا بیٹھا اپنے بھائی کی غیبت کرتا ہے
اور اپنی ماں کے بیٹے پر تہمت لگاتا ہے۔
تو نے یہ کام کئے اور میں خاموش رہا۔
تو نے گمان کیا کہ میں بالکل تجھ ہی سا ہوں
لیکن میں تجھے ملامت کرکے ان کو تیری آنکھوں کے سامنے ترتیب دوں گا۔
اب اے خدا کو بھولنے والو! اسے سوچ لو۔
ایسا نہ ہو کہ میں تم کو پھاڑ ڈالوں اور کوئی چھڑانے والا نہ ہو"

زبور ۵۰ : ۱۶-۲۲

اسی طرح سیدنا مسیحؑ نے بھی ان پر بار بار لعنت کی ہے جس کی مثالیں انجیلوں میں موجود ہیں۔ ہم بخیال اختصار صرف ایک مثال پر اکتفا کرتے ہیں۔ بنی اسرائیل کو خطاب کرکے فرماتے ہیں۔

"اے ریاکار فقیہو اور فریسیو تم پر افسوس! کہ تم بیواؤں کے گھروں کو دبا بیٹھتے ہو اور دکھاوے کے لیے نماز کو طول دیتے ہو۔ تمہیں زیادہ سزا ہوگی۔

اے ریاکار فقیہو اور فریسیو تم پر افسوس! کہ ایک مرید کرنے کے لئے تری اور خشکی کا دورہ کرتے ہو اور جب وہ مرید ہو چکتا ہے تو اسے اپنے سے دُونا جہنم کا فرزند بنا دیتے ہو

اے اندھے راہ بتانے والو تم پر افسوس! جو کہتے ہو کہ اگر کوئی مقدس کی قسم کھائے تو کچھ بات نہیں لیکن اگر مقدس کے سونے کی قسم کھائے تو اس کا پابند ہوگا۔

اے احمقو اور اندھو، کون سا بڑا ہے، سونا یا مقدس جس نے سونے کو مقدس کیا اور پھر کہتے ہو کہ اگر کوئی قربان گاہ کی قسم کھائے تو کچھ بات نہیں لیکن جو نذر اس پر چڑھی ہو اگر اس کی قسم کھائے تو اس کا پابند ہوگا۔ اے اندھو، کون سی بڑی ہے نذر یا قربان گاہ جو نذر کو مقدس کرتی ہے؟ . . . .

اے ریاکار فقیہو اور فریسیو، تم پر افسوس! کہ پودینہ اور سونف اور زیرہ پر تو دہ یکی دیتے ہو پر تم نے شریعت کی زیادہ بھاری باتوں یعنی انصاف اور رحم اور

ایمان کو چھوڑ دیا ہے۔ لازم تھا کہ یہ بھی کرتے اور وہ بھی نہ چھوڑتے۔

اے اندھے راہ بتانے والو، مچھر کو چھانتے ہو اور اونٹ کو نگل جاتے ہو

اے ریاکار فقیہو اور فریسیو، تم پر افسوس! کہ پیالے اور رکابی کو اوپر سے صاف کرتے ہو مگر وہ اندر لوٹ اور ناپرہیزگاری سے بھرے ہیں۔ اے اندھے فریسی! پہلے پیالے اور رکابی کو اندر سے صاف کر تاکہ اوپر سے بھی صاف ہو جائیں۔

اے ریاکار فقیہو اور فریسیو، تم پر افسوس! کہ تم سفیدی پھری ہوئی قبروں کے مانند ہو جو اوپر سے تو خوبصورت دکھائی دیتی ہیں مگر اندر مُردوں کی ہڈیوں اور ہر طرح کی نجاست سے بھری ہوئی ہیں۔ اسی طرح تم بھی ظاہر میں تو لوگوں کو راستباز دکھائی دیتے ہو مگر باطن میں ریاکاری اور بے دینی سے بھرے ہو۔

اے ریاکار فقیہو اور فریسیو، تم پر افسوس! کہ نبیوں کی قبریں بناتے اور راستبازوں کے مقبرے آراستہ کرتے ہو اور کہتے ہو کہ اگر ہم اپنے باپ دادا کے زمانے میں ہوتے تو نبیوں کے خون میں ان کے شریک نہ ہوتے۔ اس طرح تم اپنی نسبت گواہی دیتے ہو کہ تم نبیوں کے قاتلوں کے فرزند ہو۔ غرض اپنے باپ دادا کا پیمانہ بھر دو۔

اے سانپو! اے افعی کے بچو! تم جہنم کی سزا سے کیونکر بچو گے؟ اس لیے دیکھو میں نبیوں اور داناؤں اور فقیہوں کو تمہارے پاس بھیجتا ہوں، ان میں سے تم بعض کو قتل کرو گے اور صلیب پر چڑھاؤ گے اور بعض کو اپنے عبادت خانوں میں کوڑے مارو گے اور شہر بہ شہر ستاتے پھرو گے تاکہ سب راستبازوں کا خون جو زمین پر بہایا گیا تم پر آئے۔ راستباز ہابل کے خون سے لے کر برکیاہ کے بیٹے زکریاہ کے خون تک جسے تم نے مقدس اور قربان گاہ کے درمیان قتل کیا۔ میں سچ کہتا ہوں کہ یہ سب کچھ اس زمانہ کے لوگوں پر آئے گا۔

اے یروشلم! اے یروشلم! تو جو نبیوں کو قتل کرتی اور جو تیرے پاس بھیجے گئے ان کو سنگسار کرتی ہے! کتنی بار میں نے چاہا کہ جس طرح مرغی اپنے بچوں کو پروں تلے جمع کر لیتی ہے اسی طرح میں بھی تیرے لڑکوں کو جمع کر لوں مگر تم نے نہ چاہا۔ دیکھو، تمہارا گھر تمہارے لئے ویران چھوڑا جاتا ہے۔ کیونکہ میں تم سے کہتا ہوں کہ اب سے مجھے پھر ہرگز نہ دیکھو گے جب تک نہ کہو گے کہ مبارک ہے وہ جو خداوند کے نام سے آتا ہے"

متی ۲۳ : ۱۴-۳۹

یہ بات ملحوظ رکھنے کی ہے کہ یہاں ذکر تو صرف حضرت داؤدؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی لعنت کا ہے لیکن تورات کے صحیفوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر نبی نے بنی اسرائیل پر لعنت کی ہے اور بعض نبیوں کے الفاظ تو ان سے بھی کہیں سخت ہیں جو زبور اور انجیل سے اوپر نقل ہوئے ہیں۔ میرا خیال یہ ہے کہ ان دو نبیوں کا ذکر صرف ابتدا اور انتہا کو واضح کرنے کے لیے ہے، مقصود یہ بتانا ہے کہ داؤدؑ سے لے کر مسیحؑ تک ہر نبی نے اس بدبخت قوم پر لعنت کی ہے۔ حضرت داؤدؑ سے بنی اسرائیل کی سیاسی عظمت کی ابتدا ہوئی ہے اور یہود کو ان پر بڑا فخر رہا ہے اور حضرت مسیحؑ اسرائیلی سلسلۂ نبوت کی آخری کڑی ہیں، اس وجہ سے ان دونوں ناموں کے ذکر سے گویا پوری تاریخ سامنے آگئی۔

'ذٰلِکَ بِمَا عَصَوا وَّ کَانُوا یَعتَدُونَ' یہ ان کا جرم بیان ہوا ہے۔ 'بِمَا عَصَوا' میں وہ تمام جرائم آگئے جو خدا اور اس کی شریعت کے حقوق سے تعلق رکھتے ہیں اور 'وَّ کَانُوا یَعتَدُونَ' میں بندوں کے تمام حقوق آگئے جو ان کے ہاتھوں پامال ہوئے۔ 'کَانُوا لَا یَتَنَاھَونَ عَن مُّنکَرٍ فَعَلُوہُ' یہ ٹکڑا ان جرائم کی سنگینی کو واضح کر رہا ہے کہ انھوں نے نہ صرف یہ کہ جرائم کیے بلکہ ان کے نبیوں اور راستبازوں نے ان جرائم سے ان کو روکنے کی کوشش کی تو ان کو بھی یہ خاطر میں نہ لائے بلکہ ان کے دشمن بن گئے۔ کسی قوم کی اخلاقی و ایمانی تباہی کی یہی وہ حد ہے جس پر پہنچ کر وہ اللہ کی سنت کے بموجب لعنت کی مستحق بنتی ہے۔

تَرٰی کَثِیرًا مِّنھُم یَتَوَلَّونَ الَّذِینَ کَفَرُوا۔ 'الَّذِینَ کَفَرُوا' سے مراد مشرکین مکہ ہیں۔ یہود ایک طرف تو اپنی برگزیدگی پر اتنے نازاں تھے کہ کسی کو بھی خاطر میں نہیں لاتے تھے؛ دوسری طرف ان کی ذہنی پستی کا یہ عالم تھا کہ مشرکین مکہ تک سے دوستی و اعتماد کے نہایت گہرے تعلقات رکھتے تھے اور ان کو مسلمانوں سے زیادہ ہدایت یافتہ قرار دیتے۔ سورۂ نساء میں ان کی اسی حالت پر اظہار تعجب بھی فرمایا ہے اور ان کی اسی حرکت کی بنا پر ان پر لعنت بھی کی ہے۔

اَلَم تَرَ اِلَی الَّذِینَ اُوتُوا نَصِیبًا مِّنَ الکِتٰبِ یُؤمِنُونَ بِالجِبتِ وَالطَّاغُوتِ وَیَقُولُونَ لِلَّذِینَ کَفَرُوا ھٰۤؤُلَآءِ اَھدٰی مِنَ الَّذِینَ اٰمَنُوا سَبِیلًا ۝ اُولٰۤئِکَ الَّذِینَ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ ۝ وَمَن یَّلعَنِ اللّٰہُ فَلَن تَجِدَ لَہٗ نَصِیرًا۔ ۵۱-۵۲ نساء (کیا تم نے ان کو نہیں دیکھا جن کو کتاب الٰہی کا ایک حصہ ملا اور وہ جبت و طاغوت پر عقیدہ رکھتے ہیں اور کفار کے

بارے میں کہتے ہیں کہ یہ ایمان لانے والوں سے زیادہ ہدایت پر ہیں۔ یہی ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی اور جن پر اللہ لعنت کر دے تو ان کا تم کوئی مددگار نہیں پا سکتے) ٹھیک اسی طرح یہاں بھی ان پر لعنت کے ذکر کے بعد اس لعنت کے اسباب میں سے ان کی اس کفر دوستی کا بھی ذکر فرمایا۔

لَبِئسَ مَا قَدَّمَت لَھُم اَنفُسُھُم اَن سَخِطَ اللّٰہُ الآیہ۔ 'اَن سَخِطَ اللّٰہُ' بیان ہے 'مَا قَدَّمَت لَھُم اَنفُسُھُم' کا۔ گویا عمل کی جگہ اس کا نتیجہ سامنے رکھ دیا کہ وہ دیکھ لیں کہ جو کچھ انھوں نے کیا ہے اس کا کیا نتیجہ سامنے آنے والا ہے۔

وَلَو کَانُوا یُؤمِنُونَ بِاللّٰہِ وَالنَّبِیِّ وَمَا اُنزِلَ اِلَیہِ مَا اتَّخَذُوھُم اَولِیَآءَ الآیہ۔ 'یُؤمِنُونَ' اپنے حقیقی مفہوم میں ہے۔ نبی سے مراد حضرت موسیٰؑ اور 'مَا اُنزِلَ اِلَیہِ' سے مراد تورات ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ اللہ اور موسیٰؑ اور تورات پر ایمان کا جو دعویٰ کرتے ہیں یہ اپنے اس دعوے میں بالکل جھوٹے ہیں۔ اگر یہ فی الواقع اللہ پر اور اپنے نبی اور اپنی کتاب پر ایمان رکھتے ہوتے تو کبھی کفار اور مشرکین کو اپنا دوست نہ بناتے۔ ان میں سے اکثر نافرمان ہیں اور ان کا یہ فعل ہی ان کی نافرمانی پر سب سے بڑی شہادت ہے۔

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَۃً لِّلَّذِینَ اٰمَنُوا الیَھُودَ وَالَّذِینَ اَشرَکُوا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقرَبَھُم مَّوَدَّۃً لِّلَّذِینَ اٰمَنُوا الَّذِینَ قَالُوا اِنَّا نَصٰرٰی ۚ ذٰلِکَ بِاَنَّ مِنھُم قِسِّیسِینَ وَرُھبَانًا وَّاَنَّھُم لَا یَستَکبِرُونَ۔ ۸۲

'قسیس' اور 'رہبان' کے الفاظ عرب کے نصاریٰ اپنے علما اور زاہدوں کے لیے بولتے تھے جس طرح یہود اپنے علماء اور فقہاء کے لیے 'ربی' 'ربانی' اور 'احبار' استعمال کرتے تھے۔ یہ الفاظ اہل کتاب ہی کے واسطے سے عربی میں آئے۔ چونکہ عرب کے یہود و نصاریٰ کی عام زبان عربی تھی، ان میں بڑے بڑے شاعر اور ادیب تھے، اس وجہ سے ان کی یہ دینی اصطلاحیں عربی ادب میں معروف و مقبول ہو گئیں۔

اس آیت میں یہود کو اسلام دشمنی کے اعتبار سے مشرکین مکہ کا ہم پلہ قرار دیا ہے اور یہ گویا اوپر والی بات 'تَرٰی کَثِیرًا مِّنھُم یَتَوَلَّونَ الَّذِینَ کَفَرُوا' کی تصریح مزید ہے۔ قرآن نے جگہ جگہ اسلام دشمنی کے معاملے میں ان دونوں گروہوں کی ہم مشربی و ہم آہنگی

کو نمایاں کیا ہے اور مقصود اس سے، جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، یہود کے زعم برتری و تقدس کی تردید ہے کہ دیکھو جن کو اپنی برتری کا یہ دعویٰ ہے وہ کس گڑھے میں جا کے گرے ہیں اور اسلام دشمنی کے جوش میں کن سے یارانہ انہوں نے گانٹھا ہے۔ حامل کتاب ہو کر، مکہ کے بت پرستوں سے یارانہ، وہ بھی اسلام کی دشمنی میں، ایمانی و اخلاقی انحطاط کی آخری حد ہے!!

ان کے مقابل میں نصاریٰ کی تعریف فرمائی ہے کہ وہ مسلمانوں کے قریب تر ہیں۔ یہاں قرائن دلیل ہیں کہ اس سے مراد یہ عام مسیحی نہیں ہیں جو پال کی ایجاد کردہ مسیحیت کے پیرو، تثلیث و کفارہ وغیرہ کے قائل اور اسلام دشمنی میں تمام اعدائے اسلام کے سرخیل ہیں بلکہ اس سے مراد سیدنا مسیح ؑ کے خلیفہ راشد شمعون صفا کے پیرو ہیں جو پال کی تمام بدعات سے بالکل الگ حضرت مسیح ؑ کی اصل تعلیم پر قائم رہے اور جن کے باقیات صالحات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد آپ کی دعوت پر اسلام لائے۔ نجاشی وغیرہ اسی با ایمان گروہ سے تعلق رکھنے والے تھے۔ یہاں جو قرائن ہمارے اس نظریے کی تائید میں ہیں ان میں سے بعض یہ ہیں۔

ایک یہ کہ ان کی نسبت فرمایا ہے کہ "اَلَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰی" (جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس فرقہ کو اس وقت تک نہ صرف یہ کہ اپنے اس نام کی اہمیت و معنویت کا احساس تھا بلکہ ان کو اس پر فخر بھی تھا۔ یہ فرقہ، جیسا کہ نصاریٰ کی تاریخ سے ثابت ہے، صرف شمعون صفا کے پیروؤں کا تھا، پال کے ماننے والوں کی نسبت ہم سورۂ بقرہ کی تفسیر میں بیان کر آئے ہیں کہ وہ نہ صرف یہ کہ نصاریٰ کے نام کو اپنے لیے حقیر سمجھتے تھے بلکہ انہوں نے اس کو بدل کر مسیحی کا نام اختیار کر لیا تھا۔ ولیم بیکلی اپنی بائبل ہسٹری میں لکھتا ہے:۔

"بر نباس اور پال انطاکیہ میں ایک سال تک غیر خدا پرستوں کو نصرانی بنانے میں مصروف رہے۔ معلوم ہوتا ہے اسی سال (۴۴ء میں) پہلی بار نصرانیت اختیار کرنے والوں کو مسیحی (CHRISTIAN) کا نیا اور شاندار نام دیا گیا۔"

بائبل ہسٹری از ولیم بیکلی ص ۴۹۷

اس عبارت میں "مسیحی کا نیا اور شاندار نام" کے الفاظ نگاہ میں رہیں۔ اس سے صاف واضح ہے کہ پال اور اس کے پیرو نصاریٰ کے لفظ کو اپنے لیے حقیر خیال کرتے تھے اور موجودہ مسیحیت تمام تر اسی پال کی ایجاد ہے۔

دوسرا یہ کہ اس گروہ کی صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ "ان میں علماء اور زاہد ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے" ظاہر ہے کہ یہ صفت موجودہ عیسائیوں پر صادق نہیں آتی۔ علماء اور زہاد کے الفاظ یہاں نہایت اچھے معنوں میں استعمال ہوئے ہیں۔ یہ موجودہ کلیسائی نظام کے پروہتوں کے لیے کسی طرح بھی موزوں نہیں۔ پھر ان کے باب میں فرمایا ہے کہ "وہ تکبر نہیں کرتے"۔ مجھے بار بار خیال ہوتا ہے کہ یہ سیدنا مسیح ؑ کی اس بات کی طرف اشارہ ہے جو انجیلوں میں ہے کہ "مبارک ہیں وہ جو دل کے غریب ہیں، آسمان کی بادشاہی میں وہی داخل ہوں گے"۔ موجودہ مسیحی جن کی رعونت کا یہ حال ہے کہ وہ اپنے اصلی نام کو بھی حقیر سمجھتے ہیں اور اس کی جگہ انہوں نے اپنے لیے ایک نیا نام پسند کیا ہے وہ اس صفت کے مصداق کس طرح قرار دیئے جا سکتے ہیں؟۔

تیسرا یہ کہ اس گروہ کے متعلق آگے کی آیات میں صاف تصریح ہے کہ یہ سب لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر دلی جوش و خروش کے ساتھ ایمان لائے اور قرآن کا انہوں نے اس طرح والہانہ خیر مقدم کیا گویا وہ مدتوں سے اس کے لیے سراپا شوق و انتظار تھے۔

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ۝ فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۸۳-۸۶

اس گروہ نے جس والہانہ انداز میں قرآن اور پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کا خیر مقدم کیا یہ اس کی تصویر ہے۔ اس تصویر میں یہ بات صاف نظر آتی ہے کہ حضرت عیسیٰ ؑ نے انجیلوں میں جس تسلی دینے والے اور جس نجات دہندہ کی بشارت دی تھی اور اس کی جو علامتیں بتائی تھیں وہ ان میں سے ایک ایک چیز کو محفوظ کیے ہوئے اس آنے والے کی راہ دیکھتے رہے تھے۔ یہ آنے والا نہایت محبوب تھا اس لیے کہ ان کی تمام امیدیں، دنیا اور آخرت دونوں میں، اسی سے وابستہ تھیں، اسی کی آمد سے ان کی، ان کے صحیفوں کی اور ان کے نبیوں کی صداقت ثابت ہونے والی تھی اس لیے کہ سب نے اسی کی منادی کی تھی، ان کو اس کے ہراول دستہ میں شامل ہونے کی سرفرازی حاصل ہونے والی تھی اس لیے کہ وہ پہلے سے دنیا کے سامنے اس کے گواہ اور اس کے تعارف

کرانے والے ٹھہرائے گئے تھے۔ اس کا ظہور خدا کی زمین میں اس آسمانی بادشاہت کا ظہور تھا جس کی مسیحؑ نے بشارت دی تھی اور جس میں اللہ کے وہ سارے بندے حصہ پانے والے تھے جن کے دل غرور اور گھمنڈ کی آلائشوں سے پاک اور خشیت الٰہی کے نور سے معمور تھے — چنانچہ ان کا حال یہ ہے کہ جب وہ قرآن پاک کی آیات سنتے اور ان کے اندر اس حق کی کرنیں جلوہ گر دیکھتے ہیں جن کے انتظار میں بے قراری کی طویل راتیں کاٹ چکے ہیں تو جوش مسرت سے ان کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو جاتی ہیں اور وہ پکار اٹھتے ہیں کہ اے رب! ہم اس کتاب پر اور اس کے لانے والے پر ایمان لائے، تو ہمیں اس کی گواہی دینے والوں کے زمرے میں لکھ۔ "گواہی دینے والوں کے زمرے میں لکھ" اس قدیم عہد کا اقرار ہے جس کے وہ پچھلے نبیوں کی امانتوں اور ان کی سپرد کردہ ذمہ داریوں کے حامل ہونے کی وجہ سے، پابند تھے۔ وہ عہد، جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، یہ تھا کہ جب آخری نبی، آخری کتاب کے ساتھ آئیں تو تم آگے بڑھ کر خلق کے سامنے گواہی دینا کہ یہی ہیں وہ جن کی ہمارے صحیفوں میں پیشین گوئی تھی۔ اور پھر اس پر خود بھی ایمان لانا اور دوسروں کو بھی اس پر ایمان لانے کی دعوت دینا۔

'وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الایۃ' یہ ان کی طرف سے از خود اپنے اس اقدام کی تائید میں دلیل ہے کہ جب ہم یہ توقع لیے بیٹھے ہیں کہ خدا ہمیں زمرۂ صالحین میں داخل کرے گا تو آخر اللہ اور اس حق پر جو ہمارے پاس آیا ہے، ایمان لائے بغیر ہمیں یہ توقع کرنے کا کیا حق ہے؟

اور 'فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ' اور پھر 'وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ' میں ان یہود و نصاریٰ پر نہایت لطیف تعریض بھی ہے جو اپنا سارا زور تو صرف کر رہے تھے اس رسول کی مخالفت پر جس کی گواہی دینے پر مامور کیے گئے تھے لیکن توقع بلکہ دعویٰ یہ رکھتے تھے کہ آخرت کی تمام کامیابیاں اور جملہ سرفرازیاں تنہا انہی کا حصہ ہیں۔

گر تو می خواہی مسلمان زیستن
نیست ممکن جز بہ قرآں زیستن
اقبالؒ

ایک اہم اعلان

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہ تفسیر 'تدبر قرآن' کی جلد دوم کی کتابت شروع ہو گئی ہے، جو تفاسیر سورۂ نساء، سورۂ مائدہ، سورۂ انعام اور سورۂ اعراف پر مشتمل ہو گی۔

(سورۂ نساء، چونکہ بعض امتحانات کے کورس میں بھی شامل ہے اس لیے خیال ہے کہ جونہی اس کی کتابت مکمل ہو اسے علیحدہ بھی شائع کر دیا جائے:)

★

آئندہ شمارے — یعنی دسمبر ۶۶ء کی اشاعت میں تفسیر سورۂ مائدہ مکمل ہو جائیگی اور اس کے ساتھ ہی 'میثاق' کی جلد ۱۵ بھی جو ۶۶ء کی تمام اشاعتوں پر مشتمل ہوگی مکمل ہو جائیگی۔ دسمبر کے شمارے کے ساتھ ہی اس سال کے تمام شائع شدہ مضامین کی فہرست بھی شائع کر دی جائے گی۔ 'میثاق' کے مستقل خریدار حضرات اپنے فائل کا جائزہ لے لیں اور جن اشاعتوں کی ضرورت ہو دفتر سے طلب فرمالیں۔ نومبر دسمبر ۶۶ء کے دوران یہ پرچے علیحدہ علیحدہ اپنی اصل قیمت پر ارسال کر دیئے جائیں گے یعنی جنوری تا جولائی پچھتر پیسے فی شمارہ اور اس کے بعد ایک روپیہ فی شمارہ۔ (آسان ترین صورت یہ ہے کہ قیمت کی مالیت کے ٹکٹ فرمائش کے ساتھ ہی ارسال کر دیئے جائیں)

اس کے بعد

سال ۶۶ء کا فائل صرف مکمل ہی مل سکے گا:
جس کی قیمت دس روپے ہو گی !!

اور جس میں مکمل تفسیر سورۂ مائدہ اور دوسرے بہت سے قیمتی مضامین کے علاوہ

پروفیسر یوسف سلیم چشتی صاحب کا بیش قیمت مقالہ

"مسلمانوں میں غیر اسلامی تصوف کی اشاعت کے اسباب"

بھی مکمل چھ اقساط میں شامل ہوگا۔ اس مقالے کی علیحدہ کتابی صورت میں اشاعت کا ارادہ تو ہے، لیکن اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس کی نوبت کب آئے! — بلکہ اندیشہ اس بات کا بھی ہے کہ اس کی اشاعت ہو ہی نہ سکے !!! — !!! عقلمند را اشارہ کافی است:

المعلن — منیجر ماہنامہ ق'۔ لاہور ۔۱

ہم سے طلب فرمائیے

تصانیف مولانا امین احسن اصلاحی

• دعوتِ دین اور اس کا طریقِ کار
صفحات ۲۱۲، قیمت ۳/۷۵ روپے

★

• اسلامی قانون کی تدوین
صفحات ۱۶۰، قیمت ۲ روپے
سستا ایڈیشن ، ،، ۲ ،،

• تزکیۂ نفس
صفحات ۴۴۴، قیمت ۶/- روپے

★

• عائلی کمیشن رپورٹ پر تبصرہ
صفحات : ۱۲۸
قیمت : ۲/۲۵ روپے

حقیقت خلافت و ملوکیت

تالیف:
علامہ سید محمود احمد عباسی

سید ابوالاعلیٰ مودودی کی تالیف
خلافت و ملوکیت کا مسکت جواب

مستند تاریخی حقائق و واقعات کی روشنی میں

سائز ۲۳ × ۳۶/۱۶ صفحات: ۵۶۸ ؛ مجلد

قیمت: قسم اول سفید کاغذ معہ ڈسٹ کور: ۱۱/۰ روپے
قسم دوم نیوز پرنٹ ——— ۶/۷۵ ،،

دارالاشاعت الاسلامیہ، کوثر (سابقہ امرت) روڈ، اسلام پورہ (سابقہ کرشن نگر) لاہور

مولانا عبد الغفار حسن
استاذ حدیث، جامعہ مدینہ منورہ

اسلام میں اسناد کی اہمیت

سند کا معنی حدیث نبوی دو اجزاء پر مشتمل ہے، (الف) سند یا اسناد، (ب) متن۔ لغت میں "سند" کا معنی معتمد کے ہیں کہا جاتا ہے فلان سند ای معتمد۔ حدیث کی صحت و ضعف کا مدار سند پر ہے، اس لئے راویانِ حدیث کے سلسلے کو سند کہا جاتا ہے۔

محدثین کی اصطلاح میں سند کی تعریف ہے۔ "الطریق الی المتن" یعنی متنِ حدیث تک پہنچنے کا ذریعہ اور راستہ۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تدریب الراوی للسیوطی ص۵)

متن کا معنی متن حدیث سے مراد حدیث کی وہ عبارت ہے جو کلمات نبویہ پر مشتمل ہوتی ہے۔ تدریب میں ہے: المتن هو الفاظ الحديث التي تتقوم بها المعاني۔ یعنی متن سے مقصود حدیث کے وہ الفاظ ہیں جن سے معانی کا وجود اور قوام حاصل ہوتا ہے، لغت میں سخت اور بلند زمین کو "متن" کہا جاتا ہے۔

اسناد کی اہمیت قرآن میں (۱) قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ؕ اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ پ۲۶ سورۃ الاحقاف آیت ۴

کہو کہ بھلا تم نے ان چیزوں کو دیکھا ہے جن کو تم خدا کے سوا پکارتے ہو، (ذرا) مجھے بھی دکھاؤ کہ انہوں نے زمین میں کونسی چیز پیدا کی ہے یا آسمانوں میں ان کی شرکت ہے۔ اگر سچے ہو تو اس سے پہلے کی کوئی کتاب میرے پاس لاؤ یا علم (انبیاء میں) سے کچھ منقول چلا آتا ہو تو اسے پیش کرو۔

اس آیت میں لفظ "اثارة" محل استدلال ہے، لفظ اثارہ کی اصل "اثر" ہے جس

کے معنی روایت کے ہیں اس کے تین مصدر مستعمل ہیں، اثرۃ اثارۃ اثر
قاضی شوکانی فتح القدیر میں لکھتے ہیں،

اصل الکلمۃ من الأثر وھی الروایۃ، یقال آثرت الحدیث وآثرہ اثرۃ واثارۃ واثرا، اذا ذکرتہ عن غیرک وقال عطاء أوشئ تاثرونہ عن نبی کان قبل محمد صلی اللہ علیہ وسلم وقال مقاتل او روایۃ من علم الانبیاء۔	یہ لفظ اُثر کے مادے سے ہے۔ جب کسی دوسرے سے بات نقل کی جائے اسی موقع پر یہ کلمہ بولا جاتا ہے۔ عطاء تابعی کہتے ہیں یا کوئی ایسی چیز پیش کرو جس کو تم آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کسی نبی سے روایت کرتے ہو مقاتل مفسر کہتے ہیں یا علم انبیاء میں سے کوئی روایت پیش کرو۔

تفسیر مذکورہ ج ۴ - ص ۱۳

قاموس میں ہے الاثرۃ المکرمۃ المتوارثۃ، کالماثرۃ والبقیۃ من العلم تؤثر کالاثرۃ والاثارۃ ج ۱ ص ۳۶۲ - یعنی اُثرۃ اس خوبی کو کہتے ہیں جو آباء اجداد سے اولاد کی طرف منتقل ہوتی چلی آتی ہے اور اس بقیہ علم کو بھی کہتے ہیں جو منقول ہوتا چلا آتا ہے جیسا کہ اثرۃ و آثارہ کا مفہوم ہے خلاصہ کلام یہ کہ لفظ اثارہ نقل اور روایت کا مفہوم رکھتا ہے۔ آیت مذکورہ بالا میں مشرکین سے ان کے شرک کے ثبوت میں دو چیزوں کا مطالبہ کیا گیا ہے (الف) کسی سابق کتاب سے اس کی دلیل لاؤ (ب) یا کوئی ایسی نقل و روایت پیش کرو جس کی بنیاد علم پر ہو، ظاہر ہے کوئی سی نقل و روایت بغیر ناقل و راوی کے اپنا وجود برقرار نہیں رکھ سکتی اس لیے سند یعنی سلسلہ رواۃ کا اہتمام ضروری ہے اس کے بغیر کلام منقول کا صحت و ضعف واضح نہیں ہو سکتا۔

(۲) یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَکُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا سورہ حجرات پ ۲۶ آیت ۶	اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق (غیر ذمہ دار شخص) خبر لائے تو اس کی تحقیق کر لو۔

اس آیت اور اس کے ہم معنی دوسری آیات و روایات کی بنیاد پر محدثین کرام نے راویوں کو پرکھنے کے لیے جرح و تعدیل جیسے اہم علم کی

بنیاد ڈالی [1]

(۳) واشھدوا ذوی عدل منکم۔ پ ۲۸ سورہ الطلاق آیت (۲)	اور اپنے میں سے دو منصف افراد کو گواہ کر لو۔

شہادت و روایت میں کئی وجوہ سے فرق پایا جاتا ہے لیکن کئی اعتبار سے ان دونوں میں گہری مشابہت پائی جاتی ہے۔ اس لیے جس طرح گواہ کے لیے عادل قابل اعتماد ہونا ضروری ہے اس طرح راوی کا بھی بنیادی وصف یہی عدالت (سیرت کی پاکیزگی) ہے [2]

سند کی اہمیت سُنّت میں

(۱) عن ابن ابی بکرۃ عن ابیہ ان النبی صلی اللہ علیہ	ابن ابی بکرہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے دن خطبہ میں ارشاد فرمایا جو (مجمع میں) حاضر

---

[1] یہ خیال درست نہیں ہے کہ محدثین کرام نے ضرورت اور حکمت عملی کے ماتحت راویوں پر جرح اور غیبت کو جائز قرار دے دیا جبکہ قرآن مجید اور صحیح احادیث میں غیبت کی شدید ممانعت آئی ہے اور اس پر سخت وعید سنائی گئی ہے۔ یہ اس لیے کہ ضعیف راویوں پر جرح اور ان کے معائب و نقائص کا بیان غیبت کے حدود ہی سے خارج ہے جیسا کہ حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ ابوتراب نخشبی نے امام احمد بن حنبل کو راویوں میں جرح و قدح کرتے ہوئے سنا تو کہا۔ "کیا آپ علماء کی غیبت کرتے ہیں؟" امامؒ نے جواب میں فرمایا "ارے مجاہد! یہ نصیحت و خیر خواہی ہے غیبت نہیں ہے۔" اختصار علوم الحدیث ص ۲۳۴ مقدمہ ابن الصلاح ص ۱۵۳ یہی مفہوم ابوجہم والی حدیث سے معلوم ہوتا ہے اس کی تفصیل آئندہ آئے گی۔ انشاء اللہ۔

---

[2] شہادت" کے لیے مندرجہ ذیل امور بطور شرط کے ہونے ضروری ہیں۔
(الف) حریت (آزادی) (ب) مرد ہونا، عورت صرف انہی معاملات میں گواہ بن سکتی ہے جو ان کے ساتھ مخصوص ہیں۔ (ج) عدد یعنی گواہ کم سے کم دو ہونے ضروری ہیں (د) گواہ کا بینا ہونا ضروری ہے (ھ) قرابت یا عداوت کی بنا پر گواہی معتبر نہیں ہو سکتی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو الفروق للقرافی ج ۱ ص ۲۳ طبع تونس: توضیح الافکار ج ۲ ص ۱۱۸، ان کے علاوہ وہ تمام امور جو شہادت میں معتبر ہیں وہی روایت میں بھی ملحوظ ہیں۔

وسلم قال (في خطبة يوم النحر) ليبلغ الشاهد الغائب فإن الشاهد عسى أن يبلغ من هو أوعى له منه

الصحيح بخاري كتاب العلم

ہیں وہ (میری باتیں) ان کو پہنچا دیں جو یہاں موجود نہیں ہیں۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ حاضر کی بہ نسبت غائب زیادہ تر حافظ رکھتا ہو۔

غائب سے مراد دو قسم کے افراد ہو سکتے ہیں (۱) جو زندہ موجود تھے لیکن حجۃ الوداع میں شریک نہ ہو سکے (۲) بعد کی آنے والی نسلیں۔ اسی فرمان کی بنا پر صحابۂ کرام نے جو کچھ سنا یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتے دیکھا وہ تابعین تک منتقل کر دیا۔ اور تابعین نے یہ مبارک ذخیرہ اپنے تلامذہ تبع تابعین تک پہنچا دیا اس طرح یہ احادیث نبویہ سینہ بسینہ اور سفینہ درسفینہ (کتاب در کتاب) ہم تک پہنچ گئیں

(۲) عن سمرة بن جندب والمغيرة بن شعبة قالا قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من حدث عني بحديث يرى أنه كذب فهو أحد الكاذبين

صحیح مسلم

سمرہ بن جندب اور مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مجھ سے حدیث روایت کرتا ہے یہ جانتے ہوئے کہ وہ جھوٹ ہے تو ایسا شخص جھوٹوں میں سے ایک ہے۔

(۳) عن ابن عباس رضي الله عنهما قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اتقوا الحديث عني إلا ما علمتم فمن كذب علي متعمدا فليتبوأ مقعده من النار (جامع ترمذی)(۱)

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ سے حدیث بیان کرنے میں پرہیز کرو مگر ایسی احادیث جن کو تم جانتے ہو۔ اس لیے کہ جو شخص جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھتا ہے وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنائے۔

ان دونوں حدیثوں سے واضح ہوا کہ (الف) موضوع من گھڑت روایات کا بیان کرنا اور ان کو لوگوں میں پھیلانا جائز نہیں ہے۔ (ب) جس طرح وضع حدیث، روایت گھڑنا، اپنی طرف سے پیش کرنا جرم عظیم ہے۔ اسی طرح ایسی روایات کی عوام میں اشاعت بھی گناہ کبیرہ ہے۔ اس قسم کی روایات کا بیان اسی وقت جائز ہو سکتا ہے جبکہ ان کی اصلیت اور حقیقت بھی بے نقاب کر

دی جائے۔

علماء سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ موضوع روایات، فضائل اعمال، اور ترغیب و ترہیب میں بھی بیان نہیں کی جا سکتیں۔ مقدمہ ابن الصلاح ص۹۹ ع۱

اسی طرح جس روایت کا ماخذ (سرچشمہ) یا سند معلوم نہ ہو اس کو بھی بلا تحقیق لوگوں میں پھیلانا جائز نہیں۔ اس طرح کی بے احتیاطی سے بہت سی بے بنیاد روایات اور گمراہ کن خرافات مسلمانوں کے لٹریچر میں شامل ہو گئی ہیں جن کی بنا پر عقائد و اعمال کے لحاظ سے بہت سی ضلالتیں اور بے اعتدالیاں مسلم معاشرہ میں جڑ پکڑ گئی ہیں۔ ع۲

مذکورہ بالا روایات سے سند کی اہمیت واضح ہو گئی کہ راوی کے صادق و کاذب ہونے کی پہچان سند کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

(۱) عن فاطمة بنت قيس قالت ذكرت للنبي صلى الله عليه وسلم أن معاوية بن أبي سفيان وأبا جهم خطباني فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم أما أبو جهم فلا يضع عصاه عن عاتقه وفي رواية فرجل ضراب للنساء وأما معاوية فصعلوك لا مال له۔

فاطمہ بنت قیس سے روایت ہے وہ کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا کہ معاویہ بن ابی سفیان اور ابوجہم نے مجھے پیغام نکاح بھیجا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رہے ابوجہم تو وہ اپنی لاٹھی اپنے کندھے سے نہیں ہٹاتے ایک اور روایت میں ہے کہ یہ عورتوں کے حق میں بڑے مرکھنے ہیں اور رہے معاویہ تو وہ فقیر کلاش ہیں، ان کے پاس پھوٹی کوڑی بھی نہیں ہے۔

اس حدیث میں ایک عورت کی خیرخواہی کی بنا پر دو صحابیوں کے عیب، ان کی غیر حاضری میں بیان کئے گئے ہیں کیونکہ اس سے مقصود ایک خاتون بلکہ ایک خاندان کی خیرخواہی ہے تو اس کو غیبت قرار نہیں دیا جائیگا۔ اسی طرح بدرجہ اولی دین کے تحفظ کے لیے، راویوں پر جرح و قدح بھی امت مسلمہ کی خیرخواہی شمار ہوگی حقیقت میں یہ تعمیل ہے اس حدیث نبوی کی جس

ع۱ حدیث ضعیف فضائل اور ترغیب و ترہیب میں بیان ہو سکتی ہے یا نہیں اس کی تفصیل آئندہ بیان ہوگی، انشاء اللہ العزیز۔ ع۲ ان کے نمونے آئندہ بیان ہوں گے۔

میں ارشاد ہے۔

الدین نصیحة قالوا لمن یا رسول اللّٰہ قال للّٰہ ولکتابہ ولرسولہ ولائمة المسلمین وعامتھم

(صحیح مسلم کتاب الایمان ج ۲ ص ۳۷)

دین نام ہے نصیحت کا صحابہ نے دریافت کیا کس کے لیے، آپ نے فرمایا اللہ کے لیے، اس کی کتاب کے لیے، اور مسلمانوں کے سربراہوں کے لیے اور ان کے عوام کے لیے۔

۵۔ عن علی رضی اللّٰہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لا تکذبوا علی فانہ من یکذب علی یلج النار۔

مقدمہ صحیح مسلم ص ۶۶

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ پر جھوٹ مت باندھو اس لیے کہ جو مجھ پر جھوٹ باندھتا ہے وہ دوزخ میں داخل ہو کر رہے گا۔

۶۔ عن ابی ھریرة رضی اللّٰہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یکون فی آخر الزمان دجالون کذابون یاتونکم من الاحادیث بما لم تسمعوا انتم ولا اباءکم فایاکم وایاھم لا یضلونکم ولا یفتنونکم

مقدمہ صحیح مسلم ج ص ۸

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آخری زمانے میں ایسے جھوٹے دجال پیدا ہوں گے جو تمہارے پاس ایسی روایات لائیں گے جن کو نہ تم نے سنا اور نہ تمہارے باپ دادوں نے، تم ان سے دور رہو وہ تم کو گمراہی اور فتنہ میں ڈالنے نہ پائیں۔

۷۔ عن ابی ھریرة رضی اللّٰہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کفی بالمرء کذبا ان یحدث بکل ما سمع۔ مقدمہ صحیح مسلم ج ص ۸

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، انسان کے جھوٹے ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ بس جو کچھ وہ سنے دوسروں کے سامنے اگل دے۔

یعنی راوی کی تحقیق کئے بغیر سنی سنائی باتوں کو دوسروں تک پہنچانا بھی جھوٹ ہی کی ایک قسم ہے خصوصاً آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنے میں جو بے احتیاطی برتتا ہے اسے ذیل کی حدیث سے سبق لینا چاہیئے۔

۸۔ عن المغیرة بن شعبة قال

حضرت مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے کہتے ہیں

سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول ان کذبا علی لیس ککذب علی احد، فمن کذب علی متعمدا، فلیتبوأ مقعدہ من النار۔ مقدمہ مسلم ج ۱ ص ۶۶

کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا۔ مجھ پر جھوٹ باندھنا دوسروں پر جھوٹ اور افترا پردازی کی طرح نہیں ہے اس لیے کہ جس نے مجھ پر جھوٹ باندھا جانتے بوجھتے، تو اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنا لے۔

(جاری)

جماعت اسلامی

- کن مقاصد کے تحت قائم ہوئی تھی؟
- آزادی سے قبل اس کے نظریات کیا تھے؟
- قیام پاکستان کے بعد اس نے کیا طرز عمل اختیار کیا اور
- اس کے کیا نتائج برآمد ہوئے؟

جماعت کے ماضی وحال کا ایک تاریخی تجزیہ جماعت کے سابق کارکن کے قلم سے

تحریکِ جماعت اسلامی

ایک تحقیقی مطالعہ

تالیف

ڈاکٹر اسرار احمد ایم اے، ایم بی بی ایس

سابق ناظم اعلیٰ اسلامی جمعیت طلبہ پاکستان و امیر جماعت اسلامی ساہیوال

ضخامت ۲۲۶ صفحات - سائز بڑا - طباعت آفسٹ

مجلّد مع گردپوش ؛ قیمت -/۴ روپے

علاوہ محصول ڈاک

دار الاشاعت الاسلامیہ اسلام پورہ (سابق کرشن نگر) لاہور

ہم سے طلب فرمائیے:

تصانیف مولانا فراہی رحؒ

تفاسیر

دلائل النظام (عربی) سائز ۲۰×۲۶ صفحات ۱۳۲
کاغذ عمدہ سفید - قیمت : ۴/۵۰ روپے

مقدمہ تفسیر نظام القرآن (اردو ترجمہ)	قیمت :	۰/۹۰ روپے
تفسیر بسم اللہ وسورہ فاتحہ	"	۰/۴۵ "
" سورۂ قیامہ	"	۰/۶۰ "
" " والشمس	"	۰/۵۰ "
" " فیل	"	۱/۰۰ "
" " ذاریات	"	۱/۳۰ "
" " مرسلات	"	۰/۶۰ "
" " والتین	"	۰/۷۰ "
" " کوثر	"	۱/۱۰ "
" " لہب	"	۰/۷۰ "
" " تحریم	"	۰/۷۰ "
" " عبس	"	۰/۷۰ "
" " والعصر	"	۰/۶۰ "
" " کافرون	"	۰/۴۵ "
" " اخلاص	"	۰/۴۵ "
اقسام القرآن	"	۱/۳۰ "
ذبیح کون ہے؟	"	۱/۷۰ "

لغت و ادب

- اسباق النحو
  حصہ اوّل: ۱/۴۰ روپے
  حصہ دوم " ۱/۰۰ "
- امثال آصف الحکیم
  قیمت: ۱/۲۵ روپے
- جمہرۃ البلاغہ
  قیمت: ۱/۵۰ روپے
- مفردات القرآن
  قیمت: ۱/۴۰ روپے
- دیوان عربی
  قیمت: ۱/۵۰ روپے
- نوائے پہلوی
  (دیوان فارسی)
  قیمت ۴/۰۰ روپے

★

دارالاشاعت الاسلامیہ - اسلام پورہ (سابقہ کرشن نگر) لاہور ۱ — فون نمبر ۶۹۵۲۲

مولانا امین احسن اصلاحی

پردہ اور قرآن مجید

(۱)

مسئلہ کی نوعیت پردہ کا مسئلہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے تو اس قدر اہم ہے کہ اس کو تمام معاشرتی مسائل کی بنیاد قرار دیا جاتا ہے۔ خانگی زندگی کی ساری مسرتیں اور خوشحالیاں اس پر مبنی قرار دی جا سکتی ہیں۔ صرف افراد کا بننا اور بگڑنا ہی نہیں بلکہ حکومت کے ضعف و استحکام کا بھی بہت بڑی حد تک اس پر انحصار ہے۔ اس کے بارہ میں اگر ہم نے کوئی غلط روش اختیار کرلی تو اس سے صرف ہماری معاشرتی زندگی ہی متاثر نہیں ہوگی بلکہ اس کے لازمی نتیجہ کے طور پر ہمارے تمام اخلاقی اقدار بھی متاثر ہوں گے۔ لیکن جو حضرات آج اخبارات میں اس پر خامہ فرسائی فرما رہے ہیں (یا فرما رہی ہیں) ان میں سے کسی کو بھی اس کی اہمیت کا اندازہ نہیں ہے۔ کسی کالج یا اسکول کے مباحثہ میں جس مبلغ علم اور جس درجہ کے احساس ذمہ داری کے ساتھ لڑکے شریک ہوجایا کرتے ہیں، اس سے بھی کم تر درجہ کے علم اور احساس ذمہ داری کے ساتھ یہ لوگ اس مباحثہ میں کود پڑتے ہیں۔ قرآن و حدیث کے علم یا ان سے استدلال کی تو ان حضرات سے توقع ہی کیسے ہو سکتی ہے بخالص عقلی، معاشرتی اور اجتماعی پہلوؤں سے جو کچھ اس مسئلہ پر کہا جا سکتا ہے اس کا بھی کوئی اثر ان کی تحریروں میں نہیں پایا جاتا ہے۔ مردوں کی طرف سے عورتوں کو پردے کے خلاف اکسانے کے لئے جذباتی اپیلیں ہیں، "اصل دین پر دین ملّا" کے نام سے چوٹیں ہیں، پردہ کے حامیوں پر رجعت پسندی اور ترقی دشمنی کے طعنے ہیں، اس طرح عورتوں کی طرف سے پردے کی زندگی پر حقارت آمیز پھبتیاں ہیں، گھر کی بندشوں اور پابندیوں پر گالیاں اور کوسنے ہیں، ملّا کے دین پر صلواتیں اور لعنتیں ہیں؛ اس طرح کی بے شمار چیزیں آپ کو ان تحریروں میں بکثرت مل جائیں گی۔ ان موتیوں سے جہاں سے جی چاہے دامن بھر لیجئے۔ لیکن اگر آپ یہ دیکھنا چاہیں کہ کسی بات پر سنجیدگی سے کوئی دلیل لائی گئی ہو تو آپ کوشش اور تلاش کے باوجود بھی اس طرح کی کوئی چیز نہ پا سکیں گے۔ پھر لطف کی بات یہ ہے کہ جو لوگ اس بے پروائی کے ساتھ ہماری ساری معاشرتی زندگی کی بنیادیں اکھیڑ رہے ہیں۔ وہ اس خبط میں مبتلا ہیں کہ ان کا یہ کارنامہ پاکستان کی

تمدنی و معاشرتی تعمیر کے سلسلہ کی ایک مبارک کڑی ہے۔

ذہنی بدحالی

اس بحث میں حصہ لینے والے جتنے بھی ذکور و اناث میں خدا کے فضل سے سب مسلمان ہیں اور ان میں سے ہر ایک کو اس بات کا دعویٰ ہے کہ پردے کے معاملہ میں جو کچھ خدا اور رسول نے کہا ہے، اس سے اس کو انکار نہیں ہے، ہاں انکار جس چیز سے ہے وہ "دین ملا" ہے۔ لیکن حالت یہ ہے کہ ہر شخص قرآن کی اتنی بات کو تو لے لیتا ہے جتنی اس کی خواہشوں کے مطابق ہے اور جو بات اس کی خواہش کے خلاف نظر آتی ہے اس سے اس طرح کترا جاتا ہے گویا وہ بھی دین ملا کے تحت داخل ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ پیچھے تو چلنا چاہتے ہیں اپنی خواہشوں کے لیکن ظاہر یہ کرنا چاہتے ہیں کہ قرآن کے پیچھے چل رہے ہیں۔ یہ ہماری قوم کی ذہنی بدحالی اور اخلاقی گراوٹ کی نہایت کھلی ہوئی دلیل ہے۔ اس کے اکثر افراد کا یہ حال ہے کہ یہ بیک وقت کئی کئی مسلکوں کے ساتھ محبت اور ایک ہی ساتھ کئی کئی دینوں پر تھوڑا تھوڑا عمل کرنا چاہتے ہیں۔ اس انتشار ذہن اور اس منافقانہ سیرت کے ساتھ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ ان بھاری ذمہ داریوں کو کس طرح سنبھال سکیں گے جو ان پر آن پڑی ہیں۔

ان مضامین سے اہل علم کے تو کسی غلط فہمی میں پڑنے کا اندیشہ نہیں ہے۔ لیکن یہ اندیشہ ضرور ہے کہ ممکن ہے ان کے بُرے اثرات ہمارے ان بھائیوں اور بہنوں تک متعدی ہوں جو اخلاص اور یکسوئی کے ساتھ اسلام پر عمل کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن اسلام سے ناواقف ہونے کی وجہ سے بسا اوقات دھوکے میں پڑ جایا کرتے ہیں۔ ہم ان کی رہنمائی کے لئے چاہتے ہیں کہ قرآن مجید میں پردہ سے متعلق جو احکام دیے گئے ہیں۔ ان کو بیان کر دیں۔ اس سے ہمارے ان بھائیوں کو بھی فائدہ پہنچے گا جنہوں نے اس اخباری مباحثہ کے دوران میں اسلام کا نقطہ نظر پیش کرنے کی کوشش کی ہے لیکن تاویل و تفسیر کی بعض پرانی مشکلوں کی وجہ سے وہ صحیح نقطۂ نظر پیش کرنے سے قاصر رہے ہیں۔

قرآن میں پردہ کے احکام کی نوعیت

قرآن مجید میں پردہ سے متعلق تین طرح کے احکام ہیں:-

۱۔ ایک وہ احکام ہیں جو خاص کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کو مخاطب کر کے یا ان سے متعلق، عام مسلمانوں کو مخاطب کر کے دیئے گئے ہیں۔ لیکن مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ

احکام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کے لئے خاص نہیں ہیں بلکہ ان کا حکم امت کی تمام ماؤں بہنوں اور بیٹیوں کے لئے عام ہے۔ خطاب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کو خاص طور پر پیش نظر رکھنے کی وجہ ایک تو یہ ہے کہ شروع شروع میں معاشرتی اصلاح کا یہ مشکل قدم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں ہی سے اٹھایا گیا اور دوسری وجہ یہ ہے کہ تمام امت کی خواتین کے لئے نمونہ ہونے کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج اور آپ کے اہل بیت پر ان ہدایات و احکام کی ذمہ داری زیادہ قوت اور شدت کے ساتھ عائد ہوتی تھی۔ یہ احکام سورۂ احزاب کی آیات (۳۲، ۳۳، ۵۳، ۵۴، ۵۵) میں ہیں۔

۲۔ دوسرے وہ احکام ہیں جن میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کے ساتھ دوسری عام خواتین بھی شامل ہیں اور جن میں یہ بات بتائی گئی ہے کہ کسی مسلمان عورت کو کسی ضرورت سے جب گھر سے باہر قدم نکالنے کی کوئی ضرورت پیش آ جائے تو اس حالت میں اس کو کیا رویہ اختیار کرنا چاہئے۔ یہ احکام سورۂ احزاب کی آیات (۵۹، ۶۰) میں ہیں

۳۔ تیسرے وہ احکام ہیں جو عام مردوں اور عورتوں کو مخاطب کر کے گھروں کے اندر آنے جانے سے متعلق دیئے گئے ہیں اور جن میں تفصیل کے ساتھ یہ بتایا گیا ہے کہ ایک مسلمان جب اپنے کسی بھائی کے گھر میں داخل ہو تو اس کو کن آداب و قواعد کی پابندی کرنی چاہئے اور گھر کی عورتوں پر ایسی حالت میں کیا پابندیاں عائد ہوتی ہیں۔ یہ احکام سورۂ نور میں بیان ہوئے ہیں۔

اب ہم ان تینوں قسم کے احکام کی تفصیل بیان کریں گے۔

۱۔ پہلی قسم کے احکام

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کو خطاب کر کے پردہ سے متعلق یہ ہدایات دی گئی ہیں۔

یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ	اے پیغمبر کی بیویو! تم عام عورتوں کی مانند نہیں
اِنِ اتَّقَیْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ	ہو، اگر تم میں خدا ترسی ہے تو دوسروں سے بات
فَیَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّ قُلْنَ	کرنے میں لگاوٹ کی کوئی بات زبان سے نہ
قَوْلًا مَّعْرُوْفًا وَ قَرْنَ فِیْ بُیُوْتِكُنَّ وَ لَا	نکالو کہ جس کے دل میں نفاق کا روگ ہے۔
تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰى وَ	کوئی غلط توقع کر بیٹھے اور اچھی بات کہو اور اپنے
اَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتِیْنَ الزَّكٰوةَ	گھروں میں قرار سے رہو اور گذرے ہوئے زمانہ

وَأَطِعْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا

(۳۲-۳۳- احزاب)

جاہلیت کی عورتوں کی طرح اپنے آپ کو دکھاتی نہ پھرو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ تم سے گندگی دور کرے اے نبی کے گھر والو اور تم کو پاک کرے جیسا کہ چاہیے۔"

پھر مردوں کو بتایا ہے کہ اگر ان کو پیغمبر کے گھروں میں سے کسی گھر میں جانا پڑے تو ان کو کن آداب کا لحاظ رکھنا چاہیے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَن يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَىٰ طَعَامٍ غَيْرَ نَاظِرِينَ إِنَاهُ وَلَٰكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانتَشِرُوا وَلَا مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِي مِنكُمْ وَاللَّهُ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِن وَرَاءِ حِجَابٍ ذَٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ وَمَا كَانَ لَكُمْ أَن تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَن تَنكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِن بَعْدِهِ أَبَدًا إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ عِندَ اللَّهِ عَظِيمًا إِن تُبْدُوا شَيْئًا أَوْ تُخْفُوهُ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا لَّا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِي آبَائِهِنَّ وَلَا أَبْنَائِهِنَّ وَلَا إِخْوَانِهِنَّ وَلَا أَبْنَاءِ إِخْوَانِهِنَّ وَلَا أَبْنَاءِ أَخَوَاتِهِنَّ وَلَا نِسَائِهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ

اے ایمان لانے والو، نہ داخل ہو تم پیغمبر کے گھروں میں مگر جب تم کو کھانے کی اجازت دی جائے۔ نہ انتظار کرتے ہوئے کھانے کی تیاری کا۔ ہاں جب تم کو بلایا جائے تو جاؤ اور جب کھا چکو تو فوراً منتشر ہو جاؤ اور نہ لگ جاؤ باتوں میں، یہ باتیں نبی کو دکھ پہنچا رہی تھیں۔ لیکن وہ تمہارے لحاظ کی وجہ سے کہتا نہ تھا۔ لیکن اللہ حق کے اظہار میں نہیں شرماتا اور اگر تم کو پیغمبر کی بیویوں سے کوئی چیز مانگنی ہو تو پردہ کی اوٹ سے مانگو۔ یہ تمہارے دلوں کے لئے بھی زیادہ پاکیزگی بخش طریقہ ہے اور ان کے دلوں کے لئے بھی پاکیزگی بخش ہے اور تمہارے لئے زیبا نہیں ہے کہ تم اللہ کے رسول کو دکھ پہنچاؤ اور نہ یہ جائز ہے کہ اس کے بعد اس کی بیویوں سے کبھی نکاح کرو۔ یہ باتیں اللہ کے نزدیک بڑے گناہ کی ہیں۔ خواہ تم کسی بات کو راز میں رکھو یا اس کو ظاہر کرو۔ اللہ ہر بات سے واقف ہے۔ البتہ نبی کی بیویوں پر ان کے باپوں اور بیٹوں، بھائیوں اور بھتیجوں، بھانجوں اور دینی بہنوں اور

وَاتَّقِينَ اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا

(۵۳-۵۵- احزاب)

ان کے غلاموں کے بارہ میں کوئی الزام نہیں ہے اور اے نبی کی بیویو! اللہ سے ڈرو اللہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے۔

مذکورہ بالا آیات میں پردے کے احکام

اوپر کی آیات سے پردہ کے متعلق مندرجہ ذیل احکام نکلتے ہیں۔

(ا) عورتوں کو عام حالات میں نامحرم مردوں سے گفتگو نہیں کرنی چاہئے۔ اگر کسی خاص ضرورت سے گفتگو کی نوبت آ ہی جائے تو زبان سے ہرگز کوئی ایسی لگاوٹ کی بات نہ نکالیں جو سننے والے کے دل میں گدگدی پیدا کرے اور وہ کسی طمع خام میں مبتلا ہو جائے۔

(ب) مسلمان عورت کی اصلی جگہ اس کا گھر ہے (وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ) اس وجہ سے صرف کسی خاص ضرورت ہی سے اس کو گھر سے قدم باہر نکالنا چاہئے۔ محض سیر سپاٹے، تفریح اور نمائش کے لئے بن سنور کے نکلنا جاہلیت ہے۔ اور ایک مسلمان شریف زادی کے لئے جاہلیت کی روش اختیار کرنا جائز نہیں ہے۔

(ج) کسی مسلمان کو اپنے کسی مسلمان بھائی کے گھر دعوت وغیرہ کے سلسلہ میں جانا پڑے تو گھر میں اجازت کے بعد داخل ہو اور اس کو چاہئے کہ وقت کے وقت پہنچے اور کھانا کھا کے فوراً واپس ہو جائے یہ نہ کرے کہ گھنٹوں پہلے سے دھرنا دے کر بیٹھ جائے اور پھر کھانے سے فارغ ہونے کے بعد بھی سرکنے کا نام نہ لے جس سے گھر کی بیبیوں کی آزادی یا ان کی پردہ داری میں خلل پیدا ہو۔

(د) اگر گھر کی بیبیوں سے کوئی چیز مانگنی ہو تو پردہ کی اوٹ سے مانگے۔ دندناتا ہوا ان کے سامنے نہ چلا جائے۔

صرف وہ اعزا ان پابندیوں سے مستثنیٰ ہیں جو محرم ہوں۔ مثلاً باپ بھائی۔ بھتیجے، بھانجے وغیرہ یا گھر کے غلام۔ نیز عورتوں میں سے صرف دینی بہنوں ہی کی آزادانہ آمد و رفت گھروں کے اندر اسلام نے پسند کی۔ بے غیثات اور منافقات کے اختلاط سے بسا اوقات بڑے بڑے فتنے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ جس کا تجربہ خود عہد رسالت میں حضرت زینبؓ کے معاملہ میں ہو چکا ہے۔

گھر سے باہر کا پردہ

اوپر کی آیات سے یہ بات صاف نکلتی ہے کہ عام حالات میں عورت کے لئے گھر سے باہر نکلنا اسلام نے پسند نہیں کیا ہے۔ صرف کسی خاص ضرورت ہی کے لئے اس کو گھر سے باہر نکلنے کی اجازت دی ہے۔ اب دیکھئے کہ اس

ناص حالت میں بھی اگر گھر سے باہر قدم نکالنے کی اجازت دی ہے تو اس کے ساتھ کیا قید لگائی ہے۔ ایسی صورت میں عورت کیلئے حکم یہ ہے کہ وہ اپنے اوپر بڑی چادر لے اور اس کا گھونگھٹ چہرے پر لٹکائے۔ چنانچہ فرمایا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ﴿۵۹۔ احزاب﴾	اے پیغمبر! اپنی بیویوں بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں کو حکم دے دو کہ جب وہ گھروں سے باہر نکلیں تو اپنے چہروں پر اپنی بڑی چادر کا حصہ لٹکا لیا کریں۔ اس سے توقع ہے کہ ان کا شریف زادی ہونا واضح ہو جائے اور وہ ستائی نہ جائیں۔[1]

اس آیت میں جلباب کا لفظ آیا ہے۔ جلباب اس بڑی چادر کو کہتے ہیں جو سارے جسم چھپا لے۔ عرب کے شریف خاندانوں کی خواتین عموماً جب باہر نکلتیں تو اس طرح کی چادر اوپر لے کر نکلتیں۔ پنجاب میں پرانی وضع کی بڑی بوڑھیوں میں اب تک اس طرح کی چادروں کا رواج ہے اور وہ اس کو نئی طرز کے برقعوں پر ترجیح دیتی ہیں۔ ہمارے نزدیک بھی فیشنی برقعوں کے مقابل میں یہ چادریں جسم کو زیادہ چھپانے والی اور بدنگاہی سے زیادہ بچانے والی ہیں۔ یہی جلباب ہے جس کی جگہ بعد میں تمدن کی ترقی سے برقعہ نے لے لی ہے۔ اس وجہ سے برقعہ کی نسبت یہ بحث تو ہو سکتی ہے کہ اس کی موجودہ ترقی یافتہ شکلوں میں اس سے وہ مقصد پورا ہوتا ہے یا نہیں۔ جو اسلام نے ادنائے جلباب (بڑی چادر کا گھونگھٹ لٹکانا) سے پیش نظر رکھا ہے۔ لیکن یہ کہنا تو انتہائی جہالت کی بات ہے کہ برقعہ محض ملا کی ایجاد ہے۔ قرآن و اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ (جاری)

[1] جس زمانہ میں یہ حکم نازل ہوا ہے۔ اُس زمانہ میں مدینہ میں منافقوں کا زور تھا۔ مسلمان عورتیں جب ضرورت کے لئے باہر نکلتیں تو وہ ان کو چھیڑتے اور جب ان سے باز پرس کی جاتی تو عذر کر دیتے کہ ہم نے سمجھا کہ کوئی لونڈی ہے۔ اس سے بعض ذہین لوگوں نے یہ نتیجہ نکالنے کی کوشش کی ہے کہ یہ حکم ہنگامی حالات کے لئے تھا۔ جس کو بعد میں سورۂ نور کی آیات نے منسوخ کر دیا۔ آگے چل کر ہم نے سورۂ نور کی آیات کا جو صحیح محل بتایا ہے۔ اس سے اس غلط خیال کی خود تردید ہو جائے گی۔

ڈاکٹر محمد رفیع الدین ―― ایم اے، پی ایچ ڈی، ڈی لٹ

اسلامی تحقیق

اس کے معنی و مدعا اور دائرہ کار

قدیم و جدید فکر کے تصادم نے، ہماری قوم کے ایک خاص تعلیم یافتہ طبقے میں اسلامی ریسرچ کا جو احساس بیدار کیا تھا اگرچہ ہمارے نزدیک اس کا بیدار ہونا ایک فال نیک تھا۔ لیکن افسوس ہے کہ اس نے ابتدا ہی سے صحیح رہنمائی اور صحیح تربیت نہ حاصل ہونے کی وجہ سے ایک ایسی غلط راہ اختیار کر لی کہ اب تک اس کے جو نتائج سامنے آئے ہیں وہ بڑے ہی مایوس کن ثابت ہوتے ہیں۔ ہمارے نزدیک اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے اس عظیم ذمہ داری کے اٹھانے کا حوصلہ کیا ان کے ذہن میں نہ تو اسلامی ریسرچ کا کوئی واضح تصور تھا اور نہ ان کے سامنے اس کے معین خطوط تھے۔ مغربی مفکرین اور خاص طور پر مستشرقین سے جو افکار و خیالات انہوں نے اخذ کئے، کوشش یہ کی کہ کسی نہ کسی طرح ان کا جوڑ اسلام سے ملا دیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ قدیم و جدید میں جو بیگانگی پہلے تھی وہ نہ صرف شدت اختیار کر گئی بلکہ اب تو اندیشہ اس بات کا پیدا ہو چلا ہے کہ وہ وحشت اور نفرت کی شکل اختیار کرے۔ اس خطرہ سے بچنے کے لئے سب سے مقدم کام یہ ہے کہ واضح طور پر یہ معین کیا جائے، کہ اسلامی ریسرچ ہے کیا، اس کا مقصد اور اس کی غایت کیا ہے، اس کے خطوط کیا ہیں اور مستشرقین کی ریسرچ اور ہماری ریسرچ میں کیا بنیادی فرق ہے یا ہونا چاہئے۔ ان سوالات پر اب تک مجھے جن اصحاب فکر و قلم کے مضامین پڑھنے کا موقع ملا ہے ان میں محترم ڈاکٹر رفیع الدین صاحب کے اس مقالے سے میرے دل کو سب سے زیادہ اطمینان حاصل ہوا ہے۔ میرے نزدیک اسلامی ریسرچ کا صحیح تصور یہی ہے جو اس مقالے میں پیش کیا گیا ہے۔ اس کی اہمیت کے پیش نظر اس کا ترجمہ میثاق کے صفحات میں بھی پیش کیا جا رہا ہے کہ اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والے دوسرے اصحاب بھی اس سے مستفید ہو سکیں۔

―― (امین احسن اصلاحی)

اِفتتاحیہ الفاظ

اقوام عالم ایک باہمی جنگ میں مصروف ہیں جو کبھی پُرامن ہوتی ہے اور کبھی تشدد آمیز لیکن ہمیشہ ہمیشہ جاری رہتی ہے۔ اس جنگ میں نظریات اور تصورات کی قوت ہی فیصلہ کن ثابت ہوگی۔ جو قوم اس جنگ میں فتح یاب ہوکر بالآخر دنیا کے کناروں تک پھیل جائے گی۔ اور پھر ہمیشہ وہاں موجود رہے گی۔ وہ وہ نہیں ہوگی جس کے پاس جوہری آلات زیادہ ہوں گے بلکہ وہ ہوگی جس کے نظریہ حیات کے تصوّرات سب سے زیادہ معقول اور مدلّل اور دلکش اور دلنشیں ہوں گے۔

جو قوم نظریاتی محاذ پر اپنی حفاظت نہیں کرتی وہ محض فوجی محاذ پر طاقتور بن کر اپنے آپ کو بچا نہیں سکتی۔ اور جو قوم نظریاتی محاذ پر طاقتور بن جاتے اسے کسی فوجی محاذ کی ضرورت نہیں رہتی۔ اپنی زندگی کے اس نازک دور میں جب ہم دوسری قوموں کے نظریات کی طرف سے اپنی بقا کے لئے ایک خطرناک چیلنج کا سامنا کررہے ہیں۔ ہم ایک نظریاتی قوم کی حیثیت سے صرف اسی صورت میں زندہ رہ سکتے ہیں جب ہم اسلام کی ایک نہایت ہی معقول اور مدلّل سائنسی توجیہہ پیش کریں ہماری خوش قسمتی ہے کہ تمام معقول اور دلکش سائنسی تصوّرات کا سرچشمہ توحید کا عقیدہ ہے۔ جو اپنی صحیح اور پاکیزہ صورت میں فقط مسلمان قوم ہی کے پاس ہے۔ یہی وہ عقیدہ ہے جو اسلام کی روح ہے اور انسان اور کائنات کے صحیح اور سائنسی نظریہ کی صورت اختیار کرسکتا ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم تحقیق و تجسّس کی تمام قوتوں کو بروئے کار لاکر اسلامی تعلیمات کو ایک ایسے سائنسی نظریہ کائنات کی شکل دیں جس سے انکار کی گنجائش موجود نہ رہے۔ ہمارے اسلامی تحقیق کے تمام اداروں کو اس اہم کام کی طرف متوجہ ہونا چاہئے۔ اسلامی تحقیق ہمارے لئے کوئی غیر ضروری تفریحی مشغلہ نہیں جسے ہم اپنی فرصت یا سہولت کے مطابق اختیار کریں یا نہ کریں۔ بلکہ ہماری زندگی اور موت کا سوال ہے۔ اگر ہم اس کی طرف بروقت اور پوری تندہی کے ساتھ متوجہ نہ ہوئے تو ہمیں یقینی موت کا منتظر رہنا چاہئے اور پھر ہمارے بعد خدا کوئی اور قوم پیدا کرے گا جو اسلام کو یہ کام کرے گی۔

اسلامی تحقیق کے معنی

اس وقت ملک میں اسلامی تحقیق کے کئی ادارے کام کررہے ہیں۔ جن میں بعض حکومت کی سرپرستی میں ہیں اور بعض پرائیویٹ۔ لیکن افسوس ہے کہ ابھی تک ہمارے ملک میں اسلامی تحقیق

کا مفہوم واضح نہیں۔ اسلام جیسا کہ اسے حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس لائے ہیں۔ ان مقدس تعلیمات کا نام ہے جو قرآن اور حدیث میں موجود ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں اسلامی تحقیق کی تعریف اس طرح سے کرنی چاہئے۔ کہ اسلامی تحقیق وہ تحقیق ہے :

جس کا موضوع ہماری اِن مقدس کتابوں کے مشتملات ہوں اور جس
کا مقصد یہ ہو کہ ان مشتملات کو لوگوں کیلئے زیادہ قابل فہم بنایا جائے

اس تعریف کی روشنی میں ہم بآسانی معلوم کرسکتے ہیں کہ اسلامی تحقیق میں کونسی چیزیں شامل ہیں اور کونسی شامل نہیں۔ مثلاً اس میں وہ سب تحریریں شامل ہوں گی جو مسلمان علماء (ا) ان مقدس کتابوں کے متعلق یا (ب) ان کتابوں کے متعلق جو ان مقدس کتابوں کے متعلق لکھی گئی ہوں، ماضی میں لکھ چکے ہیں یا آئندہ لکھیں گے۔ پھر چونکہ یہودی یا عیسائی مستشرقین نعمت ایمان سے بے نصیب ہونے کی وجہ سے ہماری مقدس کتابوں کو مقدس کتابوں کی حیثیت سے نہیں سمجھ سکتے اور ان سے توقع بھی نہیں کی جاسکتی کہ وہ ان کو مقدس کتابوں کے مقدس مشتملات کی حیثیت سے دوسروں کے اذہان کے قریب لانے کی کوشش کرسکتے ہیں یا ایسا کرنے کی نیت ہی رکھ سکتے ہیں۔ لہذا ظاہر ہے کہ اسلامی تحقیق سے وہ تمام تحریریں خارج سمجھی جائیں گی جو یہودی اور عیسائی مستشرقین ہماری کتابوں کے متعلق یا ان کتابوں کے متعلق جو ہماری مقدس کتابوں کے متعلق لکھی گئی ہوں، ماضی میں لکھ چکے ہیں یا آئندہ لکھیں گے۔

میکانکی اور اصلی اسلامی تحقیقات

اسلامی تحقیق کی دو قسمیں ہیں یا تو یہ میکانکی ہوتی ہے یا اصلی۔ مثلاً مقدس کتابوں یا مقدس کتابوں پر لکھی ہوئی کتابوں میں سے کسی کتاب کی کوئی لغات یا کوئی اشاریہ تیار کرنا یا اس کے مشتملات کا ترجمہ کرنا یا ان کو نئی ترتیب دینا یا ان کا اختصار لکھنا یا کسی ایسے تاریخی قسم کے یا کسی اور نوعیت کے مواد کا جو ان کے مضمون سے تعلق رکھتا ہو اس غرض سے جمع کرنا کہ اس کے حوالے آسانی سے میسر آجائیں میکانکی اسلامی تحقیق ہے جبکہ مقدس کتابوں کے مضمون کی علمی تشریح یا تفسیر یا توسیع کرنا اصلی اسلامی تحقیق ہے۔ اصلی اسلامی تحقیق میکانکی اسلامی تحقیق سے بدرجہا زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا تعلق اسلام کے معنی یا اس کی روح سے ہوتا ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو درحقیقت اسلامی تحقیق سے ایسی ہی تحقیق مراد ہے۔ اس قسم کی اسلامی تحقیق کے لئے تعلیمات اسلام کی گہری بصیرت کی ضرورت ہے اور اسلام کی ایسی بصیرت صرف اس عالم دین کا حصہ ہوسکتی ہے جو اسلام پر ایسا خاص

اور پختہ ایمان رکھتا ہو کہ وہ خدا اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شدید محبت کی صورت اختیار کرے اور جو اسلام کے مذہبی اور اخلاقی ضبط اور نظم کو دل و جان سے قبول کر چکا ہو اور اس پر متواتر عمل پیرا ہو۔ پھر یہ اس وقت تک ممکن نہیں ہو سکتی جب تک کہ کوئی عالم دین مقدس کتابوں کے بار بار کے مطالعہ سے ان کی روح میں نہ گھس جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دلی اطاعت سے انسان اور کائنات کا وہی نظریہ پیدا نہ کرے جو خدا نے آپ کی معرفت ہم تک پہنچایا ہے۔ چونکہ اس قسم کی اسلامی تحقیق صرف خدا اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اسلام کی شدید محبت کے سرچشمہ سے ہی پھوٹ سکتی ہے۔ لہٰذا وہ دوسروں میں بھی اسلام کی محبت پیدا کرتی ہے۔ اس قسم کی اسلامی تحقیق کی مثال شاہ ولی اللہؒ، غزالیؒ، رومیؒ، محی الدین ابن العربیؒ، ابن تیمیہؒ، حافظ ابن قیمؒ، مولانا اشرف علی تھانویؒ اور اقبالؒ ایسے علمائے دین کی کتابیں ہیں۔

اصلی اسلامی تحقیق کے وظائف

چونکہ اصلی اسلامی تحقیق ہمیشہ اسلام کی عقلی اور علمی بنیادوں کے خلاف زمانہ کے عقلی اور علمی چیلنج کا جواب ہوتی ہے۔ لہٰذا وہ دو اہم وظائف ادا کرتی ہے۔ ایک تو یہ کہ وہ ان فلسفیانہ افکار کا بالواسطہ یا بلاواسطہ ابطال کرتی ہے جو اس خاص زمانہ میں رواج پا کر مسلمان کے یقین و ایمان پر ایک مخالفانہ اثر پیدا کر رہے ہوں اور دوسرا یہ کہ وہ اسلام کی صداقت کو ثابت کرتی ہے۔ اور تمام صحیح تصورات کو جو اس زمانہ میں دستیاب ہو سکتے ہوں کام میں لا کر اسلامی افکار و اعتقادات کی مدافعت کرتی ہے۔ یہ دو وظائف ادا کرنا اس کے لئے اس طرح سے ممکن ہوتا ہے کہ اسلام کا محقق اسلام کی شدید محبت اور اس کی صحیح تشریح اور تعبیر کرنے کی شدید خواہش کی وجہ سے ایک ایسا صحیح وجدان حاصل کر لیتا ہے اور اشیاء اور حقائق کے بارہ میں ایک ایسا صحیح نقطۂ نظر پیدا کر لیتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ صحیح افکار کو غلط افکار سے بآسانی تمیز کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔

میکانکی اسلامی تحقیق کے وظائف

میکانکی اسلامی تحقیق کے لئے اسلام کی کسی بصیرت کی ضرورت نہیں ہوتی اور چونکہ یہ ضروری نہیں کہ وہ اسلام کی محبت کا نتیجہ ہو لہٰذا وہ اسلام کی محبت کو نہ منعکس کرتی ہے اور نہ اسے دوسروں میں پیدا کر سکتی ہے۔ میکانکی اسلامی تحقیق کی اہمیت فقط یہ ہے کہ وہ اسلام کے عام طالب علم کے لئے

اسلام کی مقدس کتابوں کا مطالعہ آسان کرتی ہے اور ان مقدس کتابوں کے مضمون کو اصلی اسلامی تحقیق سے دلچسپی رکھنے والے عالم دین کی آسان دسترس میں لا کر اس کی تحقیقی ضرورتوں کی خدمت اور اعانت کرتی ہے۔ یوں سمجھیے کہ اصلی اسلامی تحقیق سے شغف رکھنے والا عالم دین ایک ایسا ماہر تعمیرات ہے جو ایک خوبصورت عمارت کا نقشہ تیار کر کے اسے تعمیر کی ساری منزلوں سے گذارتا ہے اور میکانکی اسلامی تحقیق پر کام کرنے والا پڑھا لکھا آدمی وہ جفاکش مزدور ہے جو تعمیر میں کام آنے والی اینٹوں کو ڈھو کر اس ماہر تعمیرات کے قریب لے آتا ہے۔

مشرقی تحقیق

ہو سکتا ہے کہ بعض وقت اسلام کی مقدس کتابوں پر خالص میکانکی تحقیق کا باعث یہ ہو کہ تحقیق کرنے والے کو اسلام سے محبت ہے لیکن اس کے کامیاب تتبع کے لئے اسلام کی صداقت پر ایمان و یقین کی موجودگی ایک شرط کے طور پر قطعاً ضروری نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا بھر میں یہودی اور عیسائی مستشرقین بھی اسے بڑی کامیابی کے ساتھ چلا رہے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ اس دور میں اس کے اصلی موجد مغرب کے یہودی اور عیسائی مستشرقین ہی ہیں لیکن ایسی حالت میں اسے اسلامی تحقیق کا نام دینا ہرگز درست نہیں کیونکہ اس حالت میں یہ ایک وسیع تر تحقیق کا حصہ ہے جسے مشرقی تحقیق کہا جاتا ہے اور جسے مغرب میں علماء کے ایسے گروہ نے ایجاد کیا تھا جو اپنے آپ کو "مستشرقین" کا نام دیتا تھا کیونکہ وہ مشرقی ادب اور السنہ سے دلچسپی رکھتا تھا اور انہیں جاننا چاہتا تھا۔ مشرقی تحقیق سراسر ایک میکانکی عمل ہوتا ہے اور اس کا دائرہ کار یہ ہوتا ہے کہ ماضی میں عربی، فارسی، سنسکرت، چینی، ڈونیشی اور ترکی ایسی مشرقی زبانوں میں تاریخ، مذہب، فلسفہ، لغت، سائنس اور ادب وغیرہ کے موضوعات پر جو کتابیں لکھی گئی تھیں ان کا ترجمہ یا حاشیہ، یا اختصار، یا اشاریہ تیار کیا جائے یا ان کی تشریح یا توسیع یا تنقید بہم پہنچائی جائے۔

شروع میں اس تحقیق کے اغراض و مقاصد کلیتہً مشنری یا تبلیغی تھے۔ اس کے بعد جب اور یورپی طاقتیں مشرق میں اپنی نوآبادیاں بنانے لگیں تو اس کے اغراض و مقاصد تبلیغی ہونے کے علاوہ انتظامی اور سیاسی بھی ہو گئے۔ مشرقی مطالعات سے اہل مغرب کا ایک مقصد بلاریب یہ ہے کہ وہ اپنے ذوق دریافت کو مطمئن کریں اور ایک ایسی تہذیب کے مخفی آثار کو بے نقاب کر کے اپنی تفریح کا سامان بہم پہنچائیں جو ان کے خیال میں ہمیشہ کے لئے مٹ چکی ہے اور اپنی جگہ پر اس تہذیب کو چھوڑ

گئی ہے جو اس سے کئی درجہ بلند تر اور برتر ہے اور جس کے وہ خود علمبردار ہیں۔ ان کا مقصد ویسا ہی ہے جیسا کہ ٹیکسلا کی کھدائی سے ہمارا ہے کہ ہم اس کے ذریعہ سے ماضی کے متعلق لوگوں کی معلومات کی خواہش کی تشفی کے لئے یا ان کی تفریح کا ایک شغل پیدا کرنے کے لئے ایک ایسی پرانی تہذیب کے دفن کئے ہوئے نشانات کو بے حجاب کرتے ہیں جو ہمیشہ کے لئے مٹ چکی ہے۔ اب جبکہ مغرب کی تمام یونیورسٹیاں اپنے ہاں مشرقی مطالعات کی کرسیاں قائم کر کے مشرقی تحقیق کی سرپرستی کر رہی ہیں، مشرقی تحقیق مغرب اور مشرق دونوں میں ایک باعزت اور زر آفریں پیشہ بن گئی ہے۔ وقت کے گذرنے سے مستشرقین نے مشرقی تحقیق کا ایک خاص فن ایجاد کر لیا ہے جو ہمارے السنۂ شرقیہ کے طالب مغرب کی یونیورسٹیوں میں اُن سے سیکھتے ہیں۔ اب مشرق کی بہت سی یونیورسٹیوں میں بھی مشرقی علوم کی کرسیاں قائم ہو چکی ہیں اور یہ کرسیاں بالعموم ان لوگوں نے سنبھال رکھی ہیں جن کو مغربی مستشرقین نے مشرقی تحقیق کے فن کی تربیت دی ہے۔ لیکن جہاں تک اسلامی تحقیق کا تعلق ہے یہ فن اس کے میکانکی حصے کے لئے کسی قدر سود مند ہو تو ہو ورنہ محض بیکار ہے۔

اسلام اور مسلمانوں کے خلاف تعصب

عربی اور فارسی کی کتابوں پر جو بالعموم مسلمانوں نے لکھی ہیں مستشرقین کی تحقیق کا سبب نہ اسلام کی محبت ہے اور نہ مسلمان علما اور فضلا کی قدردانی۔ بلکہ صورت حال اس کے بالکل برعکس ہے۔ ان مستشرقین کے دلوں میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بالعموم ایک شدید قسم کا تعصب موجود ہوتا ہے۔ لہٰذا جب بھی وہ اپنے میکانکی کام سے فراغت کر کے مسلمان کے معتقدات اور نظریات کی توجیہ کرنے لگتے ہیں تو ان سے یہ توقع کرنا ہی عبث ہوتا ہے کہ وہ اسلام کے متعلق کوئی موافقانہ رائے قائم کریں گے۔ یہی سبب ہے کہ ان کی تحقیق کا ایک حصہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اعتراضات سے معمور ہے۔ لہٰذا ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم ان کے کام کے اس حصہ کو نظر ثانی کے بعد ان کے غیر منصفانہ تنقید سے پاک کریں لیکن جس حد تک مستشرقین کے کام کی اس قسم کی نظر ثانی مسلمانوں کی ایسی تصنیفات کے متعلق ہو گی جو اسلام کے علاوہ اور موضوعات پر ہیں، ہم اسے میکانکی قسم کی اسلامی تحقیق بھی نہیں کہہ سکیں گے۔ بلکہ ہم اسے فقط ایسی مشرقی تحقیق کا نام دیں گے جو مسلمانوں کے ہاتھوں سے انجام پائی ہو۔ اصلی بات یہ ہے کہ مسلمانوں کی ایسی کتابوں پر جو اسلام کے علاوہ اور موضوعات پر ہوں مسلمانوں کی ساری تحقیق کو ہم مشرقی تحقیق ہی کا نام دے سکتے ہیں۔

ایک غلط نام

بدقسمتی سے اس دوسری قسم کی تحقیق کو بھی غلط طور پر اسلامی تحقیق کا نام دیا جاتا ہے اور وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ وہ مسلمانوں کی عربی اور فارسی کتابوں پر تحقیق ہے۔ لیکن درحقیقت، عہد قدیم کے مسلمانوں نے اسلام کے علاوہ اور موضوعات پر جو کتابیں لکھی ہیں ان کو اسلامی کتابیں کہنے کا جواز اتنا ہی ہے جتنا اس بات کا جواز کہ ہم ایک مسلمان کے ہاتھ کے بنے ہوئے میز کو ہم اسلامی میز کہہ دیں اگر یہ کتابیں اسلامی کتابیں ہیں اور ان پر تحقیق اسلامی تحقیق ہے تو پھر اس زمانہ کے مسلمانوں نے اسلام کے علاوہ اور موضوعات پر جو کتابیں لکھی ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ ہم ان کو اسلامی کتابیں نہ کہیں اور ان پر تحقیق کو اسلامی تحقیق کا نام نہ دیں۔ لیکن نہ ہم ان کتابوں کو اسلامی کتابیں کہتے ہیں اور نہ ان پر تحقیق کو اسلامی تحقیق کا نام دیتے ہیں تو پھر ہم کو اس بات پر اصرار کیوں ہے کہ گذشتہ مسلمانوں کی لکھی ہوئی اس قسم کی کتابوں کو اسلامی کہہ کر پکاریں۔

آسمانی یا خدائی علم کے برخلاف ذہنی علم غلط بھی ہو سکتا ہے اور صحیح بھی۔ غیر واضح بھی ہو سکتا ہے اور واضح بھی۔ منظم بھی ہو سکتا ہے اور غیر منظم بھی۔ لیکن ایسا نہیں ہو سکتا کہ وہ یہودی یا عیسائی یا اسلامی ہو۔ علم ایک ناقابلِ تقسیم وحدت ہے۔ وہ ایک ہی منبع سے صادر ہونے والا ایک ہی نور ہے جو کبھی ایک فرد پر اور کبھی دوسرے فرد پر۔ کبھی ایک قوم پر اور کبھی دوسری قوم پر اپنی خوشی سے چمکتا ہے۔ ذہنی علم مذہبوں اور قوموں سے بالا ہے۔ یہی وجہ ہے جو لوگ اس علم کی تحصیل یا تحقیق میں منہمک ہوتے ہیں، مذہب یا قومیت سے قطع نظر کر کے ایک دوسرے سے مستفید ہوتے رہتے ہیں۔

مشرقی تحقیق کا ایک خاصہ

چونکہ مشرقی تحقیق فقط ایک میکانکی عمل ہوتا ہے اور اس کے پاس کوئی نئی چیز کسی کو دینے کے لئے نہیں ہوتی۔ اس کا ایک خاصہ یہ ہے کہ یہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر بہت زور دیتی ہے مثلاً ایک مشرقی محقق اپنی پوری زندگی یہ ثابت کرنے پر صرف کر دے گا کہ ایک مصنف یا اس کی کتابوں کا صحیح نام یہ ہے اور وہ نہیں۔ یا فلاں شخص جس مقام پر پیدا ہوا تھا، وہ فلاں گاؤں سے اتنے میل شمال کو تھا اور جنوب کو نہیں، یا جس تاریخ کو پیدا ہوا تھا وہ پانچ دن پہلے تھی اور پیچھے نہیں، اگرچہ وہ شخص خود ایک عالم کے طور پر کوئی اہمیت نہ رکھتا ہو اور بالکل اس قابل ہو

کو فراموش کر دیا جائے لیکن وہ اس لئے اہم سمجھا جاتا ہے کہ کسی پرانی کتاب میں اس کا نام آگیا ہے

مسلمان مستشرق کا اصلی کام

اگر مشرقی تحقیق کا مقصد یہ ہوتا کہ مشرق کے گذشتہ علما اور فضلاء کے علمی کارناموں کو اُجاگر کیا جائے (اور اس میں شک نہیں کہ ابھی زیادہ عرصہ نہیں گذرا کہ مشرق علوم و فنون میں کرہ ارض کا سب سے زیادہ ترقی یافتہ حصہ تھا) اور اس کا تعلق دور حاضر کی علمی ترقیوں کے ساتھ واضح کیا جائے تو پھر بھی یہ اسلامی تحقیق کا کام نہ ہوتا اگرچہ یہ عمومی طور پر علم کی بہت بڑی خدمت ہوتی۔ کیونکہ اس سے نوع انسانی کی علمی جد و جہد کے ماضی کو اس کے حال کے ساتھ جوڑ کر اس کے تسلسل کو آشکار کرنے میں مدد ملتی ہے۔ لیکن اس وقت مشرقی تحقیق کا کام نہ مغرب میں ان خطوط پر ہو رہا ہے اور نہ مشرق میں۔ اس میں شک نہیں کہ یہ کام بہت مشکل ہے۔ کیونکہ اس کے لئے نہ صرف عہد قدیم کی علمی دنیا سے بلکہ عصر حاضر کی علمی دنیا سے بھی پوری طرح باخبر ہونا ضروری ہے لیکن یہ وہ اصلی کام ہے جو مشرقین کو بالخصوص مسلمان مستشرقین کو انجام دینا چاہیئے۔

آخر جہاں تک ہم مسلمانوں کا تعلق ہے۔ ہمارا مقصد علم کی جستجو ہونا چاہیئے نہ کہ مشرقی علم کی جستجو علم نہ مشرقی ہو سکتا ہے۔ نہ مغربی۔ کم از کم ہمارے بزرگوں نے علم کی کوئی ایسی تقسیم نہ کی تھی اور نوع انسانی کے جن بیش بہا علمی کارناموں کا سہرا آج ان کے سر باندھا جا رہا ہے۔ اس کی وجہ بھی یہی ہے اگر درخشندہ علمی ستاروں کا وہ طویل و عریض جگمگٹ جو مسلمان علماء اور فضلاء پر مشتمل تھا اور اب غائب ہو چکا ہے یکایک پھر زندہ ہو جائے تو وہ سب بلا توقف اس بات کی کوشش کریں گے کہ مغرب کے سارے علوم کو سیکھ کر ان کے ماہرین جائیں۔ اگر مشرقی تحقیق سے مدعا فی الواقع علم کی جستجو ہے تو یہ بات اس مدعا سے زیادہ مناسبت رکھتی ہے کہ ایسی تحقیق یا ایسے مطالعہ کے لئے لفظ مشرقی کا اور مسلمان علماء کے لئے لفظ مستشرقین کا استعمال بالکل ترک کر دیا جائے۔ ان الفاظ کا استعمال ہم نے درحقیقت اہل مغرب کی کورانہ تقلید میں شروع کیا تھا۔ جو مستقل طور پر مغرب میں رہتے ہیں اور اپنا ایک مستقل مشرق رکھتے ہیں۔ ہم مشرق میں بھی رہتے ہیں اور مغرب میں بھی۔ تمام زبانیں ہماری ہیں۔ دنیا بھر میں مشکل سے کوئی ایسی زبان ہوگی جو کم از کم چند مسلمانوں کی مادری زبان نہ ہو۔ تمام صحیح علم جو مشرق یا مغرب میں آج تک پھیلا ہوا ہے۔ ہمارا ہے کیونکہ ہمارے خدا کی کائنات کا علم ہے۔ یہ زیادہ مناسب ہوگا کہ ہم "مشرقی تحقیق" کے نام کو "علوم قدیمہ و وسطیٰ کی تحقیق" کے نام سے بدل دیں اور اس کے

پروفیسر یوسف سلیم چشتی

صوفیائے متقدمین کا اجمالی تذکرہ

دوسری و تیسری صدی ہجری

تمہید اس سے پہلے ہم جو کچھ لکھ چکے ہیں اس کے مطالعے سے قارئین پر یہ حقیقت منکشف ہو گئی ہوگی کہ تصوف کا پودا۔ اسلام کی سرزمین میں اجنبی شے نہیں ہے۔ بلکہ اسلام کی روح اور ایمان کی جان ہے۔ جو پودا واقعی اجنبی ہے وہ غیر اسلامی یا ایرانی تصوف ہے اور ہم پورے وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ حجۃ الاسلام امام غزالی رہ المتوفی ۱۱۱۱ء سے لے کر مجاہد اعظم حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رہ المتوفی ۱۹۵۷ء تک تمام صوفیائے عظام رہ نے اس کی اشد مذمت کی ہے اور مسلمانوں کو اس سے اجتناب کی وصیت کی ہے۔ کیونکہ اسلامی تصوف۔ اسلام یا قرآن و سنت سے کوئی جداگانہ شے نہیں ہے۔ بلکہ قرآن و سنت ہی کے مغز یا ان کی روح کا دوسرا نام ہے۔ جیسا کہ سید الطائفہ جنید بغدادی رہ نے صراحت کر دی ہے کہ ہمارا یہ طریقہ (تصوف) کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے مقید ہے۔

لیکن ایرانی تصوف یا عجمی تصوف اکثر مسائل و اصول و عقائد کے اعتبار سے اسلام کے خلاف ہے۔ ہم اس بات کے ثبوت میں ایک ایرانی محقق ہی کے قول فیصل کو پیش کرتے ہیں:-

مہدی توحیدی پور، نفحات الانس جامی کے مقدمے میں ص ۴۲ پر لکھتا ہے "تصوف اسلامی ایرانی ... در بسیارے موارد با قوانین دینِ مبین اسلام معارض است" [1]

یعنی تصوف اسلامی ایرانی بہت سے معاملات و مسائل میں دینِ مبین اسلام کے قوانین سے معارض (مخالف) ہے۔

---

[1] اسی کو کہتے ہیں کہ جادو وہ ہے جو خود سر پر چڑھ کے بولے۔ (مؤلف)

ہم مگر اس بات کا بالصراحت اعلان کرتے ہیں کہ ہم غیر اسلامی تصوف اور اسلامی ایرانی یا عجمی تصوف دونوں سے بیزار ہیں اور ان کو سراسر گمراہی یقین کرتے ہیں۔ جو تصوف، انسان کو شرک یا بدعت کی طرف لے جائے۔ اللہ کے بجائے غیر اللہ سے استعانت کا سبق پڑھائے، شخصیت پرستی سکھائے یا اتباعِ شریعت سے بیگانہ بنائے۔ ہم ایسے تصوف سے بیزار بار اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ اسی ایرانی یا عجمی تصوف نے، جو در اصل قرامطہ، باطنیہ، زنادقہ اور دشمنانِ اسلام کا ایجاد کردہ ملحدانہ نظامِ عقائد و افکار ہے جسے انہوں نے تصوف کے دلکش لباس میں پیش کیا۔ مسلمانوں کو دینِ اسلام سے بیگانہ بنا دیا اور جذبۂ جہاد کو فنا کر دیا۔ بقول اقبالؒ

من آں علم و فراست با پر کاہے نمی گیرم

کہ از تیغ و سپر بیگانہ سازد مردِ غازی را

ہم تو اس تصوف کے حامی اور وکیل اور داعی ہیں۔ جو ہمیں سرکارِ ابد قرار صلعم اور آپؐ کے عاشقانِ جاں نثار حضرات صحابہ کرامؓ کی زندگیوں میں کار فرما نظر آتا ہے ہم تو اس تصوف کے قائل ہیں۔ جس نے صدیق اکبرؓ کو ارحم الناس اور فاروقِ اعظمؓ کو اعدل الناس اور عثمان غنیؓ کو اجود الناس اور علی مرتضیٰؓ کو اشجع الناس اور ابو عبیدہ ابن الجراحؓ کو امین الامت بنا دیا۔ ہم تو اس تصوف کے حامی ہیں جس نے ہمارے زمانے میں شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی رح، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی رح اور شیخ طریقت حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری رح کو ساری عمر باطل کے خلاف صف آرا رکھا، جس نے بیل خانے کی متعفن، غلیظ اور تیرہ و تار کوٹھڑیوں کو ان کی نگاہ میں "ایر کنڈیشنڈ" بنا دیا، جس نے مٹی ملے ہوئے آٹے کی کچی اور کالی روٹیوں کو ان کے کام و دہن میں "مرغ کریم" سے زیادہ لذیذ بنا دیا اور کون نہیں جانتا —— اور جو نہ جانتا ہو وہ اب جان لے —— کہ یہ تینوں حضرات اپنے زہد و ورع، تقویٰ و توکل، ترک و تبتل، علم و فضل اور قناعت کے اعتبار سے اس زمانے کے جنیدؒ اور شبلیؒ تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جو آج بھی لاکھوں مسلمانوں کے دلوں پر حکومت کر رہے ہیں۔ اور انہی کے لئے عارفِ شیراز نے کہا تھا :-

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق

ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

چونکہ ہم نے اس کتاب میں یہ التزام کیا ہے کہ اپنی صوفیائے عظام کے تفصیلی حالات درج کریں گے جو صاحبانِ تصنیف ہیں اس لئے اس باب میں ہم صوفیائے متقدمین (یعنی دوسری اور تیسری صدی ہجری کے صوفیوں کا اجمالی تذکرہ سپردِ قلم کئے دیتے ہیں تاکہ تاریخی تسلسل (از زمانۂ نبویؐ تا زمانۂ صوفیائے صاحبانِ تصنیف) قائم رہے

واضح ہو کہ دوسری اور تیسری صدی میں دنیائے اسلام میں صدہا صوفی پیدا ہوئے جن کا تذکرہ اس کتاب میں ناممکن ہے جو لوگ ان کے حالات سے واقف ہونا چاہتے ہیں وہ حسبِ ذیل کتب کا مطالعہ کریں۔

(۱) طبقات الصوفیہ مصنفہ عبد الرحمٰن السلمی المتوفی ۴۱۲ھ

(۲) تذکرہ صوفیہ در کشف المحجوب مصنفہ شیخ علی ہجویری المتوفی ۴۶۵ھ

(۳) کتاب اللمع لابی النصر سراج ۔ رسالہ قشیریہ مولفہ امام قشیری رح

(۴) قوت القلوب لابی طالب المکی

(۵) تذکرۃ الاولیا (فارسی) مولفہ شیخ فرید الدین عطار

(۶) نفحات الانس (فارسی) مولفہ عارف جامی رح

اب ہم اس کتاب میں چند مشہور صوفیہ کا تذکرہ ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں :-

(۱) حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکرؓ م ۱۰۸ھ

حضرت قاسم رح، حضرت صدیق اکبرؓ کے پوتے ہیں۔ چونکہ زمانۂ طفلی میں یتیم ہو گئے تھے اس لئے ان کی پھوپھی اُم المومنین سیدۃ النساء حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ان کی پرورش کی اور حضرت عائشہؓ وہ منبعِ علم تھیں جن کے ادنیٰ ترین خدام، مسندِ علم و عمل کے وارث ہوئے اس لئے ان رح کی تربیت اور نگاہِ کیمیا اثر نے انہیں علم و عمل کا مجمع البحرین بنا دیا۔ امام نووی رح کہتے ہیں کہ "قاسم بڑے جلیل القدر تابعی ہیں۔ ان کی امامت پر سب کا اتفاق ہے۔"

حضرت قاسم رح کا خاص فن فقہ تھا اور اس میں انہیں درجۂ امامت و اجتہاد حاصل تھا۔ جس پایہ کا علم تھا اسی درجہ کا عمل بھی تھا۔ ان کی ذات فضائلِ اخلاق کی جامع تھی۔ حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کا قول ہے کہ "ابو بکرؓ کی اولاد میں، میں نے اس نوجوان سے زیادہ ان سے مشابہ کسی کو نہیں پایا۔" زہد و ورع کے اعتبار سے وہ ممتاز ترین تابعین میں سے تھے۔ دولت سے اس قدر بے نیاز تھے کہ کسی کا احسان گوارا نہ تھا۔ حق پرست ایسے تھے کہ اپنے باپ محمد بن ابی بکرؓ کی غلطی کو برملا غلطی کہتے تھے اور ان کی مغفرت کے لئے دعا کیا کرتے تھے۔

بہتر سال کی عمر پاکر ۱۰۸ھ میں وفات پائی۔ کفن کے متعلق وصیت کی کہ جن کپڑوں میں نماز پڑھتا ہوں انہی میں کفنایا جاؤں۔ نقشبندی سلسلہ انہی کے واسطے سے حضرت صدیق اکبرؓ پر منتہی ہوتا ہے۔

(۲) حضرت محمد ابن سیرینؒ م ۱۱۰ھ

حضرت موصوف ۳۳ھ میں مدینے میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد سیرین حضرت انس ابن مالک رضؓ کے آزاد کردہ غلام تھے اور ان کی والدہ، حضرت صدیق اکبر رضؓ کی کنیز تھیں مگر ایسی کہ ان کی ذات آزاد عورتوں کے لئے قابل رشک ہے۔

ابن سیرین نے حضرت انس بن مالک رضؓ کے دامن علم میں تربیت پائی اور حضرت ابو ہریرہ رضؓ سے بھی علم حدیث حاصل کیا۔ ان دو کے علاوہ دیگر اکابر صحابہ رضؓ کی صحبت سے بھی فیوض علمی و عملی حاصل کئے۔ تفسیر، حدیث اور فقہ میں امام تھے۔ علامہ ابن سعد اور حافظ ذہبی نے ان کے علم و فضل اور زہد و ورع کا اعتراف کیا ہے۔ امام نووی اور ابن عجران کو امام الحدیث لکھتے ہیں۔ ابن عون کہتے تھے کہ اسلامی دنیا میں تین آدمیوں کا مثل نہیں ہے۔ عراق میں ابن سیرین کا، حجاز میں قاسم بن محمد کا اور شام میں رجاء ابن حیوۃ کا اور ابن سیرین ان دونوں میں فائق ہیں۔"

وہ اپنے عہد کے بہت نامور عابد، زاہد اور متورع تھے۔ ان کا قلب خشیت الٰہی سے لبریز تھا۔ اتباع سنت کا اس درجہ اہتمام تھا کہ صوف کے لباس کو ناپسند کرتے تھے اور جو زہاد صوف (اون) کا لباس پہنتے تھے ان پر اعتراض کرتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اونی لباس نہیں پہنا بلکہ سوتی لباس پہنا ہے۔ اس جگہ اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ ان کے عہد میں صوفی کا لقب مروج نہیں ہوا تھا۔ پہلا زاہد جو صوفی کے لقب سے مشہور ہوا وہ ابو ہاشم عثمان بن شریک کوفی ہے جس نے ۱۶۰ھ میں وفات پائی۔

ابن سیرین کا محبوب مشغلہ ریاضت اور عبادت تھا۔ چنانچہ ابن عماد حنبلی لکھتے ہیں کہ وہ علم اور عبادت دونوں میں مرتبہ کمال پر تھے۔ دن رات اوراد، وظائف، ذکر، مراقبہ اور تلاوت میں مشغول رہتے تھے۔ ایک دن درمیان دے کر ہمیشہ روزہ رکھتے تھے۔ شعائر اللہ کا بہت احترام کرتے تھے۔ تمام تذکرہ نگار ان کے زہد و ورع کے معترف ہیں۔ اکل حلال اور صدق مقال میں عظیم المثال تھے۔ تجارت کے سلسلے میں ان کے پاس جس قدر کھوٹے سکے آجاتے تھے سب کو بیکار کر دیتے تھے۔ لوگوں سے فرمایا کرتے تھے کہ خدا کی جانب سے حلال روزی تمہارے لئے مقدر ہو چکی ہے۔ اسی کو تلاش کیا کرو۔ اگر تم اپنی روزی حرام کے ذریعے سے حاصل کرو گے تو بھی اس سے زیادہ نہیں ملے گی جو تمہارے لئے مقدر ہو چکی ہے۔

زہد و ورع کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ مدۃ العمر سلاطین اور امراء کے ہدایا اور نذرانوں کو قبول نہیں کیا۔ ایک مرتبہ حضرت عمر ابن عبد العزیز رحؒ جیسے متقی اور پارسا خلیفہ نے ان کے اور حسن بصری رحؒ کے پاس

کچھ رقم بھیجی حسن نے قبول کر لی مگر انہوں نے واپس کر دی (طبقات ابن سعد جلد ۷) شہرت سے سخت نفرت تھی۔ مزاج میں انتہائی عاجزی اور فروتنی تھی۔ ابو عوانہ کا قول ہے کہ ابن سیرین کو دیکھ کر خدا یاد آجاتا ہے۔ بلاشبہ وہ اخلاق، مذہبی اور روحانی محاسن کا مکمل ترین نمونہ تھے۔ ۱۱۰ھ میں وفات پائی۔

(۳) حسن بصریؒ م ۱۱۰ھ

حسن نام تھا۔ ابو سعید کنیت تھی۔ والد کا نام لیسار تھا۔ علمی کمالات کے لحاظ سے سرخیل علماء اور روحانی فضائل کے اعتبار سے سرتاج اولیاء تھے۔ ان کی والدہ، اُم المؤمنین اُمّ سلمہ رضؓ کی کنیز تھیں۔ اس لئے انہوں نے ام المؤمنین کے سایہ شفقت میں پرورش پائی۔ اور جب بڑے ہوئے تو اکابر صحابہ رضؓ کی صحبت کا شرف حاصل ہوا۔ اس لئے بقول علامہ ابن سعد، وہ جامع کمالات تھے، عالم تھے، زاہد و عابد تھے۔ اور جملہ ظاہری و باطنی نعماء سے مالامال تھے۔

اگرچہ وہ جامع العلوم تھے مگر ان کی زندگی زیادہ تر عبادت، ریاضت اور روحانی مشاغل میں بسر ہوتی تھی۔ تفسیر، حدیث اور فقہ کے علاوہ ادب میں بھی بہت بلند مقام رکھتے تھے۔ ان کی ذات تصوف کا منبع اور علم باطن کا سرچشمہ تھی۔ چنانچہ تصوف کے اکثر سلاسل انہی کے واسطے سے حضرت علی رضؓ تک منتہی ہوتے ہیں۔ اگرچہ محدثین کے نزدیک حضرت علی رضؓ سے ان کا روحانی استفادہ ثابت نہیں ہے۔ لیکن ارباب تصوف کا اس امر پر اتفاق ہے کہ حسن بصری رحؒ حضرت علی رضؓ کے فیض یافتہ تھے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحؒ اپنی تصنیف "انتباہ فی سلاسل اولیاء" میں لکھتے ہیں کہ ارباب طریقت کے نزدیک حسن بصری رحؒ حضرت علی رضؓ کی جانب یقیناً منسوب ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام قشیری رحؒ، امام کلاباذی رحؒ، شیخ سراج، ابو طالب مکی رحؒ، شیخ ہجویریؒ، شیخ شہاب الدین سہروردی رحؒ اور شیخ فرید الدین عطار رحؒ نے اپنی اپنی تصانیف میں حسن بصری رحؒ کے اقوال سے استفادہ کیا ہے۔

تابعین رحؒ کی جماعت میں ان سے زیادہ کوئی شخص صحابۂ رسول اللہؐ سے مشابہ نہ تھا۔ امام شعبی بڑے جلیل القدر تابعی ہیں، انہوں نے سترؔ صحابہ رضؓ کو دیکھا تھا اور ان سے علمی اور روحانی استفادہ کیا تھا۔ ان کا قول ہے کہ میں نے حسن سے زیادہ کسی تابعی کو صحابہ رضؓ سے مشابہ نہیں پایا۔

حسن بصری سوز و گداز کا مجسمہ تھے۔ قرآن کی تلاوت کے وقت اکثر رقت طاری ہو جاتی تھی۔ خشیت الٰہی کا اس قدر غلبہ تھا کہ اکثر اوقات لرزاں رہتے تھے۔ ان کی زندگی از سرتا پا زہد و ورع (تصوف) میں ڈوبی ہوئی تھی۔ ان کے زمانے میں تصوف اور صوفی کی اصطلاحیں ایجاد نہیں ہوئی تھیں۔ جو لوگ عالم، زاہد، عابد،

متورع، متقی اور قائم اللیل ہوتے تھے۔ انہیں زہاد کہتے تھے۔ یہی لوگ آگے چل کر صوفی کے لقب سے مشہور ہو گئے۔ اکثر اکابر کا اس امر پر اتفاق ہے کہ حسن بصری کی ذات میں قاسم کا زہد، ابن سیرین کا ورع، عامر ابن قیس کی عبادت اور سعید بن مسیّبؓ کا تفقہ جمع ہو گیا تھا۔

اظہارِ حق میں کسی شخص سے خوف نہیں کھاتے تھے۔ ان کا یہ قول بہت مشہور ہے کہ اللہ جس بندے کے ساتھ بھلائی چاہتا ہے اسے اہل و عیال کی بندشوں میں نہیں پھنساتا۔ انہوں نے ۱۱۰ھ میں بصرے میں وفات پائی۔

(۴) سلیمان بن مہران اعمش م ۱۴۸ھ

سلیمان جو اپنے نام کے بجائے اعمش کے لقب سے زیادہ مشہور ہیں، کوفہ میں ۶۱ھ میں پیدا ہوئے تھے ان کے علمی اور عملی کمالات پر سب ارباب سیر کا اتفاق ہے۔ ابن حجرؒ اور ذہبیؒ ان کو عابد مرتاض اور شیخ الاسلام کے القاب سے یاد کرتے ہیں۔ ان کو جملہ مذہبی علوم میں یکساں کمال حاصل تھا۔ بہت بڑے مفسر، حافظ حدیث اور ماہر علم فرائض تھے۔ انہوں نے ساری عمر قرآن حکیم کا درس دیا۔ دوسری صدی ہجری کے چوٹی کے نامور محدثین میں سے تھے۔ انہوں نے عبداللہ ابن مسعودؓ اور انس ابن مالکؓ سے استفادہ کیا تھا۔

ان کی خصوصیت یہ ہے کہ اتنے بڑے عالم ہونے کے ساتھ ساتھ بہت بڑے زاہد اور عابد اور متقی بھی تھے۔ خطیب بغدادی کا قول ہے کہ ستر سال تک ان کی تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوئی۔ خاصان خدا اور صلحائے امت کی طرح دولت دنیا سے بالکل تہی دامن تھے۔ دنیاوی آسائشوں سے محرومی کے باوجود امراء سے نہ صرف بے نیاز تھے بلکہ ان کو ناپسند کرتے تھے۔ چنانچہ عیسیٰ ابن یونس کا بیان ہے کہ وہ سلاطین تک کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ امام شعرانی لکھتے ہیں کہ اعمش کو دو وقت کا کھانا بھی میسر نہ تھا مگر ان کی مجلس میں فقیر اور سلاطین سب سے بڑے فقیر معلوم ہوتے تھے۔ انہوں نے ۱۴۸ھ میں وفات پائی۔

(۵) ابو ہاشم کوفی م ۱۶۰ھ ۷۷۶ء

یہ پہلے شخص ہیں جو طبقۂ زہاد میں صوفی کے لقب سے مشہور ہوئے۔ کوفی الاصل ہیں مگر زندگی کا بڑا حصہ ملک شام میں بسر ہوا۔ حضرت سفیان ثوریؒ کے ہمعصر ہیں جنہوں نے یہ فرمایا کہ اگر ابو ہاشم نہ ہوتے تو میں ریا کے دقائق سے آگاہ نہ ہو سکتا تھا۔ نیز یہ کہ ابو ہاشم پہلے صوفی ہیں جن کے لئے خانقاہ تعمیر کی گئی۔ تاکہ اس میں دلجمعی کے ساتھ بیٹھ کر طالبانِ حق کی تربیت کر سکیں۔

ابو ہاشم کا یہ قول بہت مشہور ہے کہ "سوئی سے پہاڑ کھودنا تو آسان ہے مگر کبر اور حبِ جاہ کو دل سے

خارج کرنا مشکل ہے۔"

(۶) سفیان ثوریؒ م ۱۶۱ھ

اپنے عہد میں امیرالمومنین فی الحدیث کے لقب سے مشہور تھے۔ اس بات سے ان کی جلالتِ علمی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ ۹۵ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کا یہ قول موتیوں میں تولنے کے لائق ہے کہ جب تک ایک شخص کم از کم بیس سال عربی صرف و نحو، لغت اور ادب کی تحصیل میں صرف نہ کرے اسے قرآن اور حدیث کی شرح و تفسیر کا کوئی حق نہیں ہے۔

علم و حکمت کے ساتھ ساتھ بہت بڑے زاہد و عابد تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص اللہ کو راضی کرنے کی کوشش کرے گا وہ انسانوں کو ضرور ناراض کرے گا۔ نیز یہ کہ عوام بگڑ جائیں تو علماء ان کی اصلاح کر سکتے ہیں۔ لیکن جب علماء بگڑ جائیں تو ان کی اصلاح کوئی نہیں کر سکتا۔ بمقام بصرہ ۱۶۱ھ میں وفات پائی۔

(۷) حضرت ابراہیم ابن ادھم م ۱۶۱ھ

بلخ کے شاہی خاندان سے تھے جو خراسان پر حکمران تھا۔ ایک دن شکار کھیلنے گئے تو جنگل میں ہاتف غیبی کی آواز سنی کہ اے ابراہیم! اللہ نے تجھے اس طرح لہو و لعب میں تضیع اوقات کے لئے پیدا نہیں کیا ہے۔ بلکہ معرفت حاصل کرنے کے لئے پیدا کیا ہے۔ یہ سن کر ان کے دل میں اللہ کی معرفت حاصل کرنے کا شدید جذبہ پیدا ہوا اور مسلکِ فقر اختیار کر لیا۔ وطن سے چل کر پہلے مکہ مکرمہ آئے۔ حج سے فارغ ہو کر سفیان ثوریؒ کی شاگردی اختیار کی۔ ان کے علاوہ فضیل ابن عیاض اور ابو یوسف غسولی سے بھی استفادہ کیا۔ کچھ عرصے کے بعد ملک شام کا سفر کیا اور کسبِ حلال کے لئے دمشق کے ایک باغ کی نگرانی قبول کر لی۔ وہیں ۱۶۱ھ میں وفات پائی۔

ایک شخص نے ان سے کہا مجھے کچھ وصیت کیجئے۔ انہوں نے کہا اگر تو عمل کر سکے تو ایک ہی وصیت کافی ہے۔ "اللہ کو دوست بنا لے، انسانوں سے قطع تعلق کر لے۔" ایک مرتبہ انہوں نے سفیان ثوری کو خط میں لکھا "جس کو اپنی طلب کی معرفت حاصل ہو جائے اسے اپنے حصولِ مقصد کے لئے بذل کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ جو شخص اپنی نگاہ کو آزاد چھوڑ دیتا ہے اس کا افسوس طویل ہو جاتا ہے اور جو شخص اپنی زبان کو آزاد چھوڑ دیتا ہے وہ انجام کار اپنے نفس کو ہلاکت میں ڈال دیتا ہے۔"

۸۔ مالک ابن دینار رح م ۱۲۸ھ

حسن بصری کے مرید تھے اور نفس کی مخالفت میں بہت شدید تھے۔ تذکرۃ الاولیا میں مرقوم ہے کہ مدتِ دراز تک محض اس لئے کھجوریں نہیں کھائیں کہ نفس ان کا آرزومند تھا۔ ذیل میں ان کے چند اقوال درج کیے جاتے ہیں :-

(ا) حُبِّ دنیا کی علامت یہ ہے کہ انسان کی ہمت اور توجہ شکم اور شرم گاہ پر مبذول رہے۔

(ب) دنیا میں صرف تین چیزیں ایسی ہیں جو موجبِ راحت ہیں (۱) ملاقاتِ اخوان (۲) تلاوتِ قرآن (۳) خلوت میں ذکر۔

(ج) بُرے ہم نشیں سے کُتا بہتر ہے۔

(د) صوف کا لباس پہننے سے پہلے تصفیۂ قلب ضروری ہے۔

کھجور کے پتوں کے پنکھے بنا کر رزق حاصل کرتے تھے۔ استغنا کا یہ عالم تھا کہ اُن کے حجرے میں قرآن، آفتابہ اور بوریے کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔ صرف نمک سے روٹی کھاتے تھے ۱۲۸ھ میں وفات پائی۔

۹۔ ابوسلیمان داؤد بن نصر الطائی م ۱۶۵ھ

امام ابوحنیفہ رح کے شاگردوں میں تھے۔ تمام علوم خصوصاً فقہ میں بہت بلند مقام رکھتے تھے۔ اپنے زمانے میں عدیم النظیر تھے۔ فضیل ابن عیاض اور ابراہیم ابن ادھم کے دوستوں میں سے تھے۔ انہوں نے امارت ریاست اور شہرت پر زہد و تقویٰ کو ترجیح دی اور ساری زندگی عزلت میں بسر کر دی۔ ایک مرید نے اُن سے کہا کہ مجھے کچھ نصیحت فرمائیے۔ جواب دیا " ان اردت السلامۃ سلم علی الدنیا و ان اردت الکرامۃ کبّر علی الآخرۃ "

اگر تو سلامتی چاہتا ہے تو دنیا پر سلام بھیج۔ اور اگر کرامت کا طالب ہے تو آخرت پر تکبیر پڑھ دے (یعنی دونوں کو دماغ سے رخصت کر دے)

معروف رضی اللہ کا قول ہے کہ میں نے داؤد طائی کے علاوہ کوئی شخص ایسا نہیں دیکھا جس کی نگاہوں میں دنیا اس سے زیادہ ذلیل و حقیر ہو۔ بادشاہوں کی بھی ان کی نگاہ میں کوئی قدر و منزلت نہیں تھی۔ لیکن اہلِ فقر کی بہت عزت کرتے تھے ۱۶۵ھ میں وفات پائی۔

۱۰۔ عبداللہ ابن المبارک ۔ م ۱۸۱ھ

یہ بزرگ ۱۱۸ھ میں بمقام مرو پیدا ہوئے۔ سفیان ثوری رح ان کی بزرگی کے معترف تھے۔ ان کا قول ہے کہ

سب سے پہلے قرآن سیکھو تاکہ نماز درست ہو سکے۔ نیز یہ کہ عارف کی پہچان یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو کُتّے سے بھی زیادہ ذلیل سمجھے۔ نیز یہ کہ میں نے چار ہزار احادیث میں سے چار احادیث اپنے لئے منتخب کی ہیں۔

(ا) عورتوں پر اعتبار نہ کرو (ب) مال پر ہرگز فریفتہ نہ ہو (ج) معدے پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ مت ڈالو (د) صرف وہی علم سیکھو جو تم کو نفع دے سکے۔ نیز یہ کہ گمنامی کو دوست رکھو۔ شہرت آفت میں مبتلا کر دے گی۔

جب ہارون الرشید رقہ میں آیا تو ابن مبارک اس کی درخواست پر اس سے ملنے گئے۔ جب لوگوں کو ان کی آمد کا علم ہوا تو وہ دیوانہ وار ان کی زیارت کے لئے دوڑے۔ خلیفہ کی بیوی نے خدام سے پوچھا کہ یہ ہجوم کیسا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ عبداللہ ابن مبارک۔ امیرالمومنین سے ملنے آ رہے ہیں اس لئے لوگ ان کی زیارت کے لئے جمع ہو رہے ہیں۔ یہ سن کر اس نے کہا کہ دراصل بادشاہ یہی شخص ہے نہ کہ ہارون۔

ان کا یہ شعر جو انہوں نے دوسری صدی میں کہا تھا آج بھی حرف بحرف صحیح ہے۔

وَھَل افسدَ الدینَ الّا الملوکُ ۔ وَ احبارُ سوءٍ و رھبانُھا

اور نہیں فاسد کیا دین کو مگر (۱) بادشاہوں نے (۲) دنیا پرست علمائے اور دین پرست صوفیا نے۔

اقبال نے اسی صداقت کو یوں ادا کیا ہے :-

باقی نہ رہی تجھ میں وہ آئینہ ضمیری
اے کشتۂ سلطانی و مُلّائی و پیری

ایک شخص نے اُن سے کہا کہ بعض لوگ آپ کو فرقہ مُرجیہ میں شمار کرتے ہیں انہوں نے جواب دیا کہ ان کا یہ گمان غلط ہے کیونکہ میں نے تین باتوں میں مُرجیہ سے اختلاف کیا ہے :-

(ا) ان کا عقیدہ یہ ہے کہ ایمان قول بلا عمل ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ایمان میں عمل بھی شامل ہے۔

(ب) ان کا عقیدہ یہ ہے کہ تارکِ نماز کافر نہیں ہوتا۔ میں اسے کافر سمجھتا ہوں۔

(ج) ان کا عقیدہ یہ ہے کہ ایمان میں کمی بیشی نہیں ہوتی۔ میں کہتا ہوں کہ ہوتی ہے۔

ان کی تصانیف میں سے کتاب الزھد کے قلمی نسخے بعض کتب خانوں میں موجود ہیں۔ جس میں انہوں نے زھد کے متعلق احادیث جمع کی ہیں۔ ۱۸۱ھ میں وفات پائی۔

۱۱ رابعہ العدویہ بصری م ۱۸۵ھ

غالباً ۹۵ھ میں بصرے میں پیدا ہوئی تھیں۔ تذکرہ نگاروں نے ان کے متعلق اس قدر ناقابلِ یقین

روایات درج کر دی ہیں کہ میں ان سب سے قطع نظر کرتا ہوں اور چند مستند واقعات کے اندراج پر اکتفا کرتا ہوں۔ اس میں شک نہیں کہ رابعہ کو فطری طور پر اللہ تعالیٰ سے غیر معمولی محبت تھی۔ چنانچہ ان کے معاصر صوفی مثلاً سفیان ثوری اور مالک ابن دینار اور عبدالعزیز بن سلیمان ان کی خدمت میں جایا کرتے تھے۔ تذکرہ نگاروں نے حسن بصری کو بھی رابعہ کے عقیدت مندوں میں شمار کیا ہے مگر میں اس بات سے متفق نہیں ہوں اور نہ ہو سکتا ہوں کیونکہ حسن بصری ۲۲ھ یا ۲۱ھ میں پیدا ہوئے تھے اور رابعہ ۹۵ھ میں پیدا ہوئی تھیں۔ پس اگر ایک ولیہ کی حیثیت سے وہ ۱۱۰ھ میں بھی مشہور ہو گئی ہوں تو حسن بصری کی وفات ۱۱۰ھ میں ہو گئی۔ اندریں صورت استفادہ درکنار دونوں کی ملاقات ہی ثابت نہیں ہوتی۔ ہاں سفیان ثوری کی ملاقات قرین عقل ہے کیونکہ دونوں ایک ہی زمانے میں پیدا ہوئے تھے اور معاصر تھے لیکن تذکرہ نگاروں نے رابعہ کی فضیلت ثابت کرنے کے لئے ایسی داستانیں زیب قرطاس کی ہیں کہ میں یقین نہیں کر سکتا کہ رابعہ نے دوسری صدی کے عظیم المرتبت مفسر، محدث، فقیہ، لغوی، ادیب اور زاہد و عابد بزرگ کی شان میں ایسے تحقیر آمیز الفاظ استعمال کئے ہوں گے جو تذکرہ نگاروں نے ان سے منسوب کر دیئے ہیں۔

رابعہ نے ساری عمر تجرد میں بسر کی۔ ان کا تمام وقت عبادت ہی میں بسر ہوتا تھا۔ تذکرہ نگاروں نے ان کی جو دعائیں درج کی ہیں ان میں سے چند دعائیں ذیل میں نقل کی جاتی ہیں:

(۱) لکھا ہے کہ آخر شب وہ اپنے مکان کی چھت پر چلی جاتی تھیں اور کہتی تھیں "اے خدا اس وقت تارے چمک رہے ہیں، سب لوگ سو رہے ہیں، بعض لوگ اپنے اپنے محبوبوں کے ساتھ خلوت میں ہیں۔ میں اس وقت خلوت میں تجھ سے سرگرم گفتگو ہوں۔"

(۲) اے خدا تو میری راحت ہے میرے دل کا چین ہے میری پناہ ہے میرا دوست ہے۔ تیری محبت ہی میری زندگی کا سہارا ہے اگر تو مجھ سے راضی ہے تو مجھے سب کچھ مل گیا۔

(۳) اے خدا اگر میں دوزخ کے خوف سے تیری عبادت کروں تو مجھے دوزخ میں جلا دے اور اگر جنت کی طمع سے تیری عبادت کروں تو مجھے جنت سے محروم کر دے۔ لیکن اگر میں تجھے حاصل کرنے کے لئے تیری عبادت کروں تو مجھے اپنے جمال سے محروم نہ رکھنا۔ رابعہ نے ۱۸۵ھ میں وفات پائی۔

بقیہ: اسلامی تحقیق

دائرہ کار کو وسعت دے کر اس میں ان کتابوں پر تحقیق کو بھی شامل کر لیں جو قدیم زمانہ میں نہ صرف عربی، فارسی، سنسکرت، چینی اور ترکی ایسی زبانوں میں لکھی گئی تھیں جن کو مشرقی زبانیں کہا جاتا ہے۔ بلکہ لاطینی اور یونانی ایسی قدیم اور باقی زبانوں میں بھی لکھی ہوئی موجود ہیں۔ (جاری)

تقریظ و تنقید

۱۔ **کتاب الرسالہ** یعنی اصول فقہ و حدیث از امام شافعی رح۔ ترجمہ از مفتی امجد العلی صاحب سائز: ۲۰×۲۶/۸ صفحات ۴۴۳۔ کاغذ سفید۔ مجلد۔ شائع کردہ محمد سعید اینڈ سنز، تاجران کتب۔ قرآن محل۔ مقابل مولوی مسافر خانہ بندر روڈ۔ کراچی۔ قیمت دس روپے پچاس پیسے۔

امام شافعی رح کی یہ کتاب اصول فقہ و اصول حدیث کے فن پر سب سے پہلی تصنیف ہے۔ مفتی صاحب نے اس کا سلیس اردو میں ترجمہ کر کے قابل قدر دینی خدمت انجام دی ہے۔ امام رازی رح نے اپنی کتاب "مناقب الامام الشافعی" میں لکھا ہے کہ امام صاحب کی حیثیت اصول فقہ میں ایسی ہی ہے جیسی منطق میں ارسطو کی اور عروض میں خلیل ابن احمد کی۔ امام صاحب دیگر مذاہب فکر کی طرح قرآن و سنت کو اسلامی قانون کا ماخذ قرار دیتے ہیں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قانونی فیصلوں کو واضح طور پر الہامی کہتے ہیں۔ احادیث رسول ص کو منشاء ربانی کہہ کر قرآن مجید کے تکملے کی حیثیت سے پیش کرنا امام صاحب کا زبردست کارنامہ ہے۔

امام صاحب کا نظریہ یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی سنت کو حدیث ہی کے ذریعے صحیح طور پر متعین کیا جا سکتا ہے۔ ان کی رائے میں اگرچہ سنت رسول ص اسلامی قانون کا دوسرا ماخذ ہے۔ لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو سنت رسول ص کو قرآن کی تفسیر ہونے اور اس کے الہامی ہونے کے سبب سے ایک اعتبار سے قرآن کے برابر درجہ حاصل ہے۔

کتاب کی افادیت اس اعتبار سے یقیناً بڑھ گئی ہے کہ مفتی صاحب نے بعض مقامات پر توضیحی نوٹ بھی لکھ دیئے ہیں تاکہ عوام کو مطلب سمجھنے میں کوئی دشواری نہ ہو۔ ناشر نے اس مفید کتاب کو سفید کاغذ پر جلی قلم سے شائع کر کے اپنی علم دوستی کا ثبوت دیا ہے۔ یہ کتاب علماء اور اسلامیات کے طلبہ کی خصوصی توجہ کی مستحق ہے۔ نیز اسلامیات اور اسلامی تاریخ کے نصاب میں شامل کئے جانے کے لائق ہے۔ (یوسف سلیم چشتی)

مرج البحرین مصنفہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح۔ ترجمہ اردو از اقبال احمد فاروقی۔ سائز: ۲۰×۳۰/۱۶ ۱۲۸ صفحات۔ کاغذ سفید مجلد مع ڈسٹ کور شائع کردہ مکتبہ نبویہ لاہور۔ قیمت دو روپے پچاس پیسے۔

مصنف محترم نے اس کتاب کا تعارف بایں الفاظ فرمایا ہے "یہ کتاب دونوں طریقوں (شریعت اور طریقت) کی جامع ہے۔ اس کتاب میں فقہ اور تصوف کی مختلف راہیں آپس میں مل جاتی ہیں۔ یہ کتاب ظاہر و باطن، صورت و معنی، پوست و مغز، علم و حال اور عقل و عشق کی شاہراہوں کا سنگم ہے۔ یہ کتاب عالم دین (فقیہ) کو تصوف کی حلاوت سے اور صوفی صافی کو فقہ کے رموز سے آگاہ کرتی ہے اور اس صداقت کو واضح کرتی ہے کہ تصوف اور شریعت میں کوئی مغایرت نہیں ہے"۔

چونکہ ہمارے زمانے میں، اسلامی تصوف میں بہت سے غیر اسلامی عناصر داخل ہوگئے ہیں اس لئے اس کتاب کا مطالعہ اہل علم کے علاوہ خود صوفیوں اور سجادہ نشینوں کے لئے بھی بہت مفید ثابت ہوگا۔

اس مفید کتاب کے گیارھویں باب (وصال یازدہم) میں بعض صوفیوں کی حکایات درج کی گئی ہیں۔ ان کے بارے میں فاضل مصنف رح نے نہایت معقول مشورہ دیا ہے کہ "غلبہ حال میں جو اقوال اور افعال ان (صوفیوں) سے رونما ہوتے ہیں، ہمارے اوپر ان کی تقلید یا اتباع ضروری نہیں ہے۔

واضح ہو کہ دینی معاملات میں صرف شریعت کا اعتبار کیا جائے گا۔ اگر کسی صوفی کا قول یا فعل شریعت کے خلاف ہو تو وہ کسی حالت میں بھی لائق اتباع نہیں ہوگا۔ صوفیوں اور خانقاہوں میں جو باتیں آج قابل اصلاح نظر آتی ہیں ان کا منبع یہی تقلید کورانہ ہے۔ شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہ العزیز نے اس سلسلے میں جو نصیحت فرمائی ہے وہ آب زر سے لکھنے اور حرز جاں بنانے کے لائق ہے۔ فرماتے ہیں:-

"شریعت کے معاملات میں کسی صوفی کا قول سند یا حجت نہیں ہو سکتا۔ اس امر میں ہم شیخ بغداد کی طرف رجوع کرنے کے بجائے امام ابوحنیفہ رح اور امام محمد رح کی طرف رجوع کریں گے"۔　　(یوسف سلیم چشتی)

فوائد جامعہ بر عجالۂ نافعہ از حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی رح شارح مولینا عبد الحلیم صاحب چشتی فاضل دیوبند۔ ۲۰×۲۶ / ۸　۴۴۵ صفحات۔ مجلد مع ڈسٹ کور۔ قیمت قسم اول ۱۵ روپے قسم دوم بارہ روپے۔ ناشر نور محمد، کارخانہ تجارت کتب آرام باغ کراچی۔

حضرت شاہ صاحب رح نے اپنے ایک شاگرد کے لئے یہ رسالہ قلم برداشتہ تحریر فرمایا تھا اور اسی وجہ سے اس کا نام عجالۂ نافعہ رکھا تھا۔ یہ رسالہ فارسی زبان میں ہے اور ۲۶ صفحات کو محیط ہے۔ مولانا چشتی صاحب نے اس کا ترجمہ کیا ہے جو کتاب کے ۴۳ صفحات میں آیا ہے۔ اس کے بعد مترجم نے ان تمام محدثین اور رواۃ پر توضیحی اور معلوماتی نوٹ (حواشی) لکھے ہیں جن کا ذکر اس رسالے میں آیا ہے۔ بعض نوٹ اس قدر مفصل ہیں کہ بجائے خود مقالات بن گئے ہیں۔ مثلاً شیخ عبد الحق محدث دہلوی رح پر چشتی صاحب نے پورے چالیس صفحات

کا قابل دید معلوماتی مضمون سپرد قلم کر دیا ہے۔

یہ رسالہ طالبان علم حدیث کے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے اور چشتی صاحب نے ہر محدث اور راوی پر نوٹ لکھ کر اس کتاب کو بلا مبالغہ دائرۃ المعارف بنا دیا ہے۔ ان کی محنت اور تفحص کا اندازہ ماخذ اور مراجع کی اس طویل فہرست کے مطالعے سے ہو سکتا ہے جو کتاب کے آخر میں شامل کر دی گئی ہے۔ اگر اس ملک میں عربی زبان یا دینی علوم کی اتنی بھی قدر و منزلت ہوتی جتنی رقص یا موسیقی کی ہے تو شارح کو یقیناً ستارۂ امتیاز ضرور مل جاتا۔　　(ای - س - ح)

النبی الخاتم مؤلفہ سید مناظر احسن گیلانی مرحوم۔ سائز ۱۸×۲۲ / ۸　۱۲۸ صفحات کاغذ سفید، طباعت آفسیٹ، شائع کردہ مکتبۂ رشیدیہ ۳۲ لے، شاہ عالم مارکٹ لاہور۔ قیمت چار روپے پچاس پیسے۔

یوں تو سید صاحب مرحوم کے قلم سے جس قدر کتابیں منصۂ شہود پر آئیں وہ سب قابل قدر اور لائق مطالعہ ہیں۔ لیکن زیر تبصرہ کتاب تو بلا مبالغہ ان کی تمام تصانیف میں ان کا شاہکار ہے۔ میرے محترم بھائی مولانا محمد منظور نعمانی نے اس گوہر گرانمایہ پر جو مقدمہ تحریر کیا ہے اس میں بالکل صحیح لکھا ہے کہ:-

"دریا بکوزہ" کی مثال بہت مشہور ہے۔ لیکن شاید دنیا کی کسی اور کتاب پر وہ اس سے بہتر طور پر صادق نہ آسکے۔ النبی الخاتم کے محترم مصنف ان خوش نصیبوں میں سے ہیں جنہیں علم و تحقیق اور تقریر و تحریر کے کمال کے ساتھ، دل کے سوز و گداز کی نعمت سے بھی حصہ وافر ملا ہے اس لئے اس کتاب میں غیر قصدی طور پر کہیں کہیں "حال" کا رنگ بھی آگیا ہے جس نے علم و حکمت و تحقیق کے ساتھ مل کر ایک خاص کیفیت پیدا کر دیا ہے"۔

مکتبۂ رشیدیہ تمام مسلمانوں کی طرف سے شکریے کا مستحق ہے کہ اس نے اس مفید کتاب کو بہت اہتمام کے ساتھ شائع کیا ہے۔　　(یوسف سلیم چشتی)

تذکرہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب دہلوی رح مرتبہ رشید احمد ارشد سائز ۱۸×۲۲ / ۸　۲۸۸ صفحات کاغذ سفید، طباعت اور کتابت بہتر۔ شائع کردہ مکتبۂ رشیدیہ ۳۲ لے شاہ عالم مارکٹ لاہور۔ قیمت چھ روپے۔

مولانا مرحوم بلاشبہ اس زمانے میں ایمان باللہ اور تعلق مع اللہ کی زندہ تصویر تھے۔ مجھے ان سے غیر معمولی محبت تھی۔ میں انہیں یاد کرکے اکثر یہ شعر پڑھا کرتا ہوں۔

مرگِ یوسف پہ عقل گم ہے مرثیؔ
کیا دِوانے نے موت پائی ہے

وہ بلاشبہ دیوانے تھے۔ جذبۂ تبلیغ نے اُن کے اندر بالکل دیوانگی کی سی کیفیت پیدا کر دی تھی۔ اسی لئے انہوں نے بیس سال میں جس قدر دین کی تبلیغ کی، اس کی نظیر بڑی مشکل سے مل سکے گی اور میری نگاہ میں تو اس کی کوئی نظیر نہیں ہے۔ تبلیغ کا یہ بے پناہ جذبہ اُن کے اندر صحابہ کرام رضؓ کی زندگیوں کا گہرا مطالعہ کرنے سے پیدا ہوا تھا۔ چنانچہ مولانا ابوالحسن علی ندوی نے بالکل صحیح لکھا ہے کہ صحابہ کرام رضؓ کی محبت ان کے گوشت اور خون میں رچ بس گئی ہے اور ان کے دل و دماغ پر مستولی ہو چکی ہے۔ (حیاۃ الصحابہ کا پیش لفظ صـ۸)

جب میں ان کی تبلیغی مشغولیت پہ نظر کرتا ہوں تو لامحالہ اس نتیجے پر پہنچتا ہوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا اُن پہ خاص فضل و کرم تھا جس کی بدولت وہ حیاۃ الصحابہ کی تین ضخیم جلدیں عربی زبان میں پایۂ تکمیل کو پہنچا سکے۔

زیرِ تبصرہ کتاب کے لئے جو مضمون مولانائے موصوف الصدر نے لکھا ہے اس میں بھی انہوں نے یہ بات بالکل صحیح لکھی ہے کہ ”ایمان بالغیب کی دعوت، دعوت کے شغف اور انہماک اور تاثیر کی وسعت و قوت میں اس ناکارہ نے اس دور میں مولانا محمد یوسف رحؒ کا کوئی ہمسر اور مقابل نہیں دیکھا۔“

اس کتاب میں مولانائے موصوف کے علاوہ محترمی مولانا محمد منظور صاحب نعمانی، مولانا محمد اشرف صاحب ایم اے اور مولانا نسیم احمد صاحب فریدی کے مضامین بھی بہت غور سے پڑھنے کے لائق ہیں۔ ارشد صاحب نے مولانا محمد یوسف صاحب کی چند تقریریں اور ملفوظات بھی درج کر دیئے ہیں جن کو پڑھ کر بلاشبہ ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔ اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اپنے فضل و کرم سے مولوی محمد ہارون سلمہٗ کو اپنے والد رحؒ اور جدِ امجد رحؒ کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور ارشد صاحب کو اس دینی خدمت پر اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ (یوسف سلیم چشتی)

رویتِ ہلال از مولانا محمد جعفر شاہ پھلواری ندوی۔ رفیق ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ کلب روڈ، لاہور۔ $\frac{20\times30}{16}$ ۸۴ صفحات۔ کاغذ اور طباعت معمولی۔ شائع کردہ ادارہ مذکور۔ قیمت ایک روپیہ پچاس پیسے۔

اس غیر مجلد کتابچے (پمفلٹ) میں رویتِ ہلال کے مسئلے پر مندرجہ ذیل مباحث عقلی اور مدلل انداز سے کتاب سنت اور فقہ اسلامی کی روشنی میں پیش کئے گئے ہیں۔

؎ دراصل یہ شعر یوں ہے ؎
مرگِ مجنوں پہ عقل گم ہے میرؔ
کیا دِوانے نے موت پائی ہے

(۱) فلکیاتی حساب سے طلوع و غروب کا علم ویسا ہی قابلِ اعتماد ہے جیسا کہ آنکھوں سے دیکھ کر معلوم کرنا۔
(ب) ایک ہی اسلامی ملک میں دو قمری تاریخوں کا وجود، اسلامی اسپرٹ اور وحدتِ امت کے خلاف ہے۔
(ج) ہر اسلامی ملک میں اعلانِ ہلال کا فریضہ مسلمان حاکموں ہی کے سپرد رہا ہے۔

جو لوگ اس موضوع سے دلچسپی رکھتے ہیں ان کے لئے اس کتابچے کا مطالعہ خالی از فائدہ نہ ہوگا۔ مصنف نے ہر دعوے پر قدما کے اقوال سے استشہاد کیا ہے۔ ہماری رائے میں اس کی قیمت بہت زیادہ ہے (ی س ح)

آغازِ سفر۔ ہفت روزہ آغازِ سفر جسے منصۂ صحافت پر جلوہ گر ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا، مسلمانانِ ہند کے ملی جرائد میں ایک قابلِ قدر اضافہ ہے۔ مقامِ اشاعت سرائے میر اعظم گڑھ یوپی (اتر پردیش) ہے۔ ایڈیٹر انجم صدیقی اور معاون ایڈیٹر ناطق اعظمی ہیں۔ قیمت فی پرچہ ۲۵ پیسے اور سالانہ بدل اشتراک ۱۳ روپے ۵۰ پیسے ہیں۔

”آغازِ سفر“ کے جو چند شمارے ہماری نظر سے گزرے ہیں ان کی روشنی میں ہم اسے ایک بے باک جریدہ قرار دے سکتے ہیں جو مسلمانانِ ہند کی صورتِ حال پر بے لاگ تبصرہ کرتا ہے اور وہاں کی اکثریت کے رویئے پر جرأت کے ساتھ تنقید کرتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ ہندوستان کی مظلوم اقلیت کے احساسات کی ترجمانی پر بھی کمربستہ ہے۔

مولانا محمد علی جوہرؔ نے فرمایا تھا ؎

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے
اتنا ہی یہ ابھرے گا جتنا کہ دبا دیں گے!

”آغازِ سفر“ کا لب و لہجہ ظاہر کرتا ہے کہ مسلمانانِ ہند نے احوال کے سامنے ہتھیار نہیں ڈالے۔ انہوں نے اکثریت کی ہر بے مہری بلکہ زیادتی کو بڑے حوصلے سے برداشت کیا۔ ان کا خون بہایا گیا۔ گھر لوٹے گئے۔ انہیں مسلسل خوف و دہشت میں مبتلا رکھنے کی کوشش کی گئی۔ ان پر معاشی، سیاسی، تعلیمی دروازے ہر اعتبار سے بند کرنے کی ہر ممکن سعی فرمائی گئی۔ مگر ان جملہ بظاہر حوصلہ شکن حالات کے باوصف انہوں نے عزیمت کے دامن میں پناہ لینا گوارا نہیں کیا بلکہ ان کو ان آفت نے انہیں مزید حوصلہ عطا کر دیا ہے۔ ہند ایک وسیع ملک ہے۔ وہاں نہ ایک قوم آباد ہے، نہ ایک زبان رائج ہے اور نہ ایک تہذیب کی کار فرمائی ہے۔ مگر وہاں شمالی ہند کی ہندو جاتی ”ناوا“ لاغیری کا کوس بجا رہی ہے۔ اچھوت، مسیحی، آدی باسی، جینی، پارسی، سکھ وغیرہ جن کی مجموعی تعداد مسلمانوں کی معیت میں اس مملکت کی کل آبادی کے نصف سے کسی طرح کم نہیں، محکوم و محروم ہو گئے ہیں۔ ”آغازِ سفر“ میں ان جملہ محروم گروہوں اور جماعتوں کے احساسات کی ترجمانی کی جا رہی ہے۔

یہاں ”آغازِ سفر“ کے علاوہ بعض دوسرے جریدے بھی دیکھنے کا موقع ملتا رہتا ہے جن میں ”دعوت“، ”الجمعیت“

"نقیب"، "RADIANCE" وغیرہ شامل ہیں۔ یہ سب بنیادی طور پر ہندی مسلم ملت کے آرگن اور نقیب ہیں اور ہر ایک کا لب ولہجہ یہ بتا رہا ہے کہ ہندی مسلم ملت اپنے وطن میں اپنا جائز آئینی حق بہر حال حاصل کرنا چاہتی ہے اور اس ضمن میں کسی خوف یا خدشے کی پروا کرنے پر آمادہ نہیں ——— جرائد جس دور سے بھی متعلق ہوں اس دور کے بڑی حد تک آئینہ دار ہوتے ہیں ——— ان جرائد کا مطالعہ یہ احساس بخشتا ہے کہ ہندی مسلم ملت کے بارے میں زیادہ مشوش ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ ان کی خودی بیدار ہے، ان کا ایمان برقرار ہے اور وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکتے ہیں۔ (م۔م۔م)

تعلیمی مقالات ۔ مرتبہ مجلس تعلیمات پاکستان ۵۰ علامہ اقبال روڈ (شبلی کالج) لاہور۔ کل صفحات ۱۴۴۔ کاغذ سفید۔ لکھائی چھپائی گوارا۔ قیمت ڈیڑھ روپیہ۔

مجلس تعلیمات پاکستان ایک تعلیمی تحریک ہے۔ ملک کے چند مخلص ذی علم اشخاص نے اس غیر سیاسی خالصۃً علمی جماعت کی تشکیل کر کے ایک بڑے خلا کو پُر کر دیا ہے۔ اراکین مجلس نظام تعلیم میں اسلامی اقدار کا احیا چاہتے ہیں۔ اس اساس پر اساتذہ کی تنظیم و تربیت کرنا ان کا نصب العین ہے۔

مجلس تعلیمات پاکستان ہر ماہ مقالات کی نشست منعقد کرتی ہے۔ یہ زیر تبصرہ مجموعہ انہی مقالات کی پہلی شاندار قسط ہے۔ مقالہ نگار حضرات میں مندرجہ ذیل اسماء خاص طور پر قابل ذکر ہیں:۔

ڈاکٹر محمد وصی اللہ خاں۔ ڈاکٹر سید محمد خلیل واسطی۔ پروفیسر شمشاد محمد لودھی۔ حافظ نذر احمد۔ ڈاکٹر محمد عبد العزیز اور پروفیسر سید علی مشیر کاظمی ——— اس مجموعہ میں مشتمل مضامین نہایت دقتِ نظر سے تیار کئے گئے ہیں جو مقالہ نگار اصحاب کی مہارت فنی اور علمی فضیلت کے آئینہ دار ہیں۔ (ادارہ)

مقالاتِ یومِ شبلی ۔ کل صفحات ۹۶+۴۔ سائز $\frac{20 \times 30}{16}$ کتابت طباعت معیاری۔ کاغذ سفید سرورق دو رنگا۔ قیمت سوا روپیہ۔ ناشر مسلم اکیڈمی ۱۸ محمد نگر لاہور۔

تعارف۔ لاہور میں شبلی کالج کے زیر اہتمام امسال پہلی بار "یوم شبلی" منایا گیا۔ اس تقریب کی صدارت ملک کی معروف ادبی شخصیت ڈاکٹر سید محمد عبد اللہ صاحب نے فرمائی۔

اس تقریب کے لئے مندرجہ ذیل اصحاب نے مقالات لکھے:۔

پروفیسر ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار لاہور۔ پروفیسر افتخار احمد چشتی لائل پور۔ سید غلام بشیر بخاری ملتان۔ مولینا سید مرتضیٰ حسین فاضل۔ پروفیسر شیخ محمد عثمان لاہور۔ ڈاکٹر سید محی احمد ہاشمی حیدر آباد۔ ڈاکٹر سید عبد اللہ

صاحب کا خطبہ صدارت اور ان جملہ اصحاب کے مقالات اس مجموعہ میں شامل ہیں۔ مقالات کے علاوہ ملک کے متعدد شعرائے کرام کا شعری ہدیۂ عقیدت بھی اس مجموعہ کا حصہ ہے۔ احسان بی اے اور خالد کاشمیری جیسے کہنہ مشق صحافیوں نے اس تقریب پر جو رپورتاژ لکھے وہ بھی مقالات یوم شبلی میں شامل ہیں۔ (ادارہ)

جمہوریت، نمائندگی اور نظام انتخابات مصنفہ نانک عزیز چودھری ایم اے $\frac{20 \times 30}{16}$ ۱۱۲ صفحات۔ کاغذ سفید۔ غیر مجلد۔ اسٹف کور۔ شائع کردہ ادارہ ادب اسلامی سرگودھا۔ قیمت ایک روپیہ پچھتر پیسے۔

اس کتاب میں مصنف نے پاکستان کے انتخابی نظام پر تنقیدی نظر ڈالی ہے۔ اور ان کی رائے میں اس نظام میں جو خرابیاں ہیں ان کی نشان دہی بھی کی ہے اور ایسی تجاویز بھی پیش کی ہیں جو ان کے زاویہ نگاہ سے انتخابی نظام کی اصلاح میں بہت مفید ثابت ہو سکتی ہیں۔ مصنف نے اہل علم سے یہ توقع ظاہر کی ہے کہ وہ ان کی تجاویز پر غور کریں گے اور جن امور میں ان سے اختلاف کریں گے ان پر علمی انداز میں اپنی آرا کا اظہار کریں گے۔

جن لوگوں کو اس ملک کے سیاسی معاملات اور نظام انتخاب سے دلچسپی ہے اُن کے لئے اس کتابچے میں کافی معلومات مہیا کر دی گئی ہیں۔

ہمیں فاضل مصنف کی ایک بات سے اتفاق نہیں ہے انہوں نے اس کتابچے کے صفحہ ۷۵ پر یہ لکھا ہے کہ "گو جماعت (یعنی جماعت اسلامی) اپنے نظریات میں اتنی متشدد ہے کہ ان میں کوئی لچک پیدا نہیں کرتی"۔ جہاں تک ہمیں معلوم ہے معاملہ اس کے سراسر برعکس ہے۔ جماعت نے بفضل خدا اپنے نظریات میں گزشتہ اکیس سال میں اتنی لچک پیدا کر لی ہے کہ:۔

ع پہچانی ہوئی صورت بھی پہچانی نہیں جاتی

یوں تو اس لچک کے اثبات میں پچاس سے زیادہ شواہد پیش کئے جا سکتے ہیں۔ مگر مسٹر نانک جیسے ذہین کے لئے ایک ہی مثال کافی ہے۔

ابتداء سے جماعت کا مذہب یہ تھا کہ عورت کی امارت بہر حال و بہر صورت ناجائز بلکہ خلاف شریعت ہے۔ لیکن جب جماعت کی حکمت عملی اس امر کی متقاضی ہوئی کہ حصول مقصد کے لئے عقیدے کو قربان کیا جا سکتا ہے (یوں بھی عاشقی اور جنگ میں ہر بات جائز ہو جاتی ہے) تو اسی جماعت کے صالحین یا متکلمین نے اپنے سینوں پر سنگ مرمر کی سل رکھ کر یہ اعلان کر دیا کہ بعض حالات میں عورت کی امارت جائز بلکہ عین موافق شریعت کاملہ ہو جاتی ہے اور جماعت نے اُس عورت کو اپنا رہنما اور پیشوا (سردار اور قائد) تسلیم کر لیا جو اپنے مذہبی عقائد کے اعتبار سے جماعت کے مزعومہ مسلّمہ عقائد سے بُعد المشرقین رکھتی تھی۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسٹر فاٹک تقسیم ہند کے بعد ۱۹۶۸ء میں پہلی مرتبہ پاکستان تشریف لائے ہیں ورنہ ایسی پادر ہوا بلکہ بے سروپا بات ہرگز نہ لکھتے۔ جماعت کی تو ساری شہرت ہی اس بات پر مبنی ہے کہ اس نے اپنے نظریات اور عقائد میں اتنی لچک پیدا کر دی ہے کہ بوقت ضرورت ہر نا ممکن بات ممکن بن جاتی ہے۔

دیکھ کاریگری حضرت سید ۔ اے دوست
دے گئے لوچ وہ مذہب میں کمانی کی طرح
(یوسف سلیم چشتی)

سلسلہ مطبوعات قرآن اکیڈمی نمبر ۱

اسلام کی نشأۃ ثانیہ

کرنے کا اصل کام

اسرار احمد

* فکر مغرب کا ہمہ گیر استیلاء * بنیادی نقطۂ نظر
* عالم اسلام پر مغرب کی سیاسی و فکری یورش * مدافعت کی اولیں کوششیں اور ان کا ماحصل
* علوم عمرانی کا ارتقا * اسلامی نظام حیات کا تصور اور بیسویں صدی عیسوی کی اسلامی تحریکیں
* تعبیر کی کوتاہی * احیائے اسلام کی شرط لازم: تجدید ایمان
* کرنے کا اصل کام * عملی اقدامات ——— اور

مضامین مندرجہ بالا کی تائید و توثیق بعنوان
"فکر مغرب کی اساس اور اس کا تاریخی پس منظر"

از قلم: پروفیسر یوسف سلیم چشتی ۔ سائز ۲۲×۱۸/۸ صفحات ۵۵ ۔ طباعت آفسٹ ۔ قیمت ایک روپیہ

شائع کردہ

دار الاشاعت الاسلامیہ

کوثر (سابقہ امرت) روڈ، اسلام پورہ (سابقہ کرشن نگر) لاہور ۱ ۔ فون نمبر ۶۹۵۲۲

علوم قرآنی کا بیش بہا خزانہ

مولانا امین احسن اصلاحی

کی تفسیر

تدبّرِ قرآن

جلد اول ——— مشتمل بر

مقدمہ و تفاسیر آیۂ بسم اللہ، سورۂ فاتحہ، سورۂ بقرہ و سورۂ آل عمران

سائز ۲۲×۲۹ ، صفحات ۸۸۰

آفسٹ کی دیدہ زیب طباعت

چرمی پشتہ کی مضبوط و پائدار جلد کے ساتھ

ہدیہ ۳۰ روپے

(محصولڈاک: دو روپے تیس پیسے)

(بتیس روپے تیس پیسے بذریعہ منی آوڈر ارسال فرمائیں یا وی پی طلب کریں)

(نمونہ کے صفحات مفت طلب فرمائیں)

اس کے علاوہ

تفسیر آیت بسم اللہ و سورۂ فاتحہ

علیحدہ مطبوعہ بھی موجود ہے بذریعہ ڈاک طلب فرمانے کے لئے ۸۵ پیسے کے ٹکٹ ارسال فرمائیں۔

بڑا سائز ۔ صفحات ۳۹ ۔ ہدیہ ۷۵ پیسے

دار الاشاعت الاسلامیہ

کوثر روڈ، اسلام پورہ (کرشن نگر) لاہور ۔ 1 فون نمبر 69522

(سول ایجنٹ برائے بھارت: کتب خانہ الفرقان، کچہری روڈ ۔ لکھنؤ)